ماهنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

July 2022





وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 42 No. 09 July 2022

Dhul Hijjah/Muharram 1443 AH

جلد: 42 شمارہ: 09 جولائی 2022ء

ذوالحجہ/محرم 1443ھ/1444ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



حلال کاروبار، دعوتِ الی اللہ کا ذریعہ بن سکتا ہے!

محمد حفیظ اللہ خان المدنی

ان دنوں اسلام اور عالم اسلام کے حوالے سے ملنے والی ہر خبر اکثر مایوسی اور افسردگی کو اپنے جلو میں لے کر آرہی ہے۔ ہاں کبھی کبھار، کسی خبر سے امیدوں کے بجھتے ہوئے چراغوں میں پھر روشنی آنے لگتی ہے۔ اس جیسی خبروں میں ایک خبر حلال فوڈ انڈسٹری سے متعلق ہے۔ بظاہر فوڈ انڈسٹری کے حوالے سے اسلام اور مسلمانوں کی پیش قدمی کو جوڑا تو نہیں جاتا مگر گہری سوچ کے حامل اذہان کو اس حوالے سے بھی اسلام کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آہٹ محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال خبر کے مطابق اس وقت مارکٹ واچ کی ایک رپورٹ کے مطابق حلال انڈسٹری مقبولیت اور نفع کے اعتبار سے عالمی فوڈ مارکیٹ میں اپنا ایک نمایاں مقام بناچکی ہے، نیز حلال انڈسٹری صرف غذائی اشیاء تک محدود نہیں رہی، اس میں ادویات، میک اپ اور زیب وزینت کی ساری اشیاء اور طبی سیکٹر میں استعمال کی جانے والی دیگر تمام اشیاء شامل ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق 2022ء میں عالمی حلال مارکیٹ کی ویلیو 1522170 امریکی ڈالرز تک پہنچ چکی ہے اور 2025ء تک اس کی مارکیٹ ویلیو 1959610 تک پہنچنے کی توقع کی جارہی ہے، نیز عالمی فوڈ مارکیٹ میں حلال اشیاء بنانے والی اور فروخت کرنے والی کمپنیوں کا تناسب 55 فیصد تک جا پہنچا ہے۔

ان حلال کمپنیوں کی ایک بڑی تعداد مشرقی اور وسط ایشیائی نیز شمالی افریقہ کے ممالک کی تجارتی مارکیٹس پر بھی اپنی گرفت مضبوط کرچکی ہیں۔

اس سے اہم بات یہ ہے کہ ان تمام حلال اشیاء کے استعمال کرنے والوں میں صرف مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد حلال فوڈ کے استعمال کرنے والوں میں شامل ہو چکی ہے، چنانچہ فاسٹ فوڈ کے حوالے سے عالمی سطح پر جانی مانی کمپنیاں KFC، میکڈونلڈز اور Sub Way اب مسلم ممالک کے علاوہ غیر مسلم ملکوں میں بھی حلال غذائی اشیاء فراہم کر رہی ہیں، اسی طرح غذائی اجناس کا کاروبار کرنے والی عالمی کمپنی CAREFOOR نے بھی اپنی پروڈکٹس کی لسٹ میں حلال فوڈ کو فوقیت دے رکھی ہے۔

کیا وجہ ہے کہ غیر مسلموں میں حلال اشیاء اس قدر مقبولیت کیسے حاصل کر رہی ہیں، اس حوالے سے مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے عالمی سطح پر مانے ہوئے پروفیسرز اور ریسرچ اسکالرز نے مختلف ملکوں مثلاً چین، امریکہ اور بھارت میں سروے کا اہتمام کیا۔ جس میں ایک ہزار سے زائد مختلف عمروں کے حامل افراد سے حلال فوڈ کے حوالے سے دریافت کیا گیا اور سروے کی روشنی میں بعض مقالات بھی تحریر کیے گئے۔ سروے کے نتائج کے مطابق اکثریت نے حلال فوڈ کی مقبولیت کے حوالے سے جہاں کئی ایک اسباب بتلائے، ان میں سے اہم ترین سبب یہ بتلایا کہ حلال اشیاء خصوصاً حلال فوڈ ان تمام اجزاء سے محفوظ ہیں جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوسکتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر معقول انسان اپنی غذا کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط برتتا ہے، ہر اس چیز کے کھانے یا پینے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، جو اس کی صحت کے لیے نقصاد دہ ہو، اس کے باوجود عالمی ادارہ صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال 600 ملین افراد غیر محفوظ غذا کے استعمال کی وجہ سے مختلف عارضی یا مستقل امراض کا شکار ہو رہے ہیں اور ہر سال غیر صحت مند غذانہ استعمال کرنے کی وجہ سے چار لاکھ سے زائد افراد ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں حلال کھانوں کی مقبولیت کی وجہ بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

نیز حلال غذا اشیاء کا ان اجزاء سے پاک وصاف ہونا جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہیں، کوئی نیا انکشاف نہیں، کیونکہ آج سے چودہ سو سال قبل قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے وضاحت کے ساتھ بتلادیا گیا کہ

کیا وجہ ہے کہ غیر مسلموں میں حلال اشیاء اس قدر مقبولیت کیسے حاصل کر رہی ہیں، اس حوالے سے مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے عالمی سطح پر مانے ہوئے پروفیسرز اور ریسرچ اسکالرز نے مختلف ملکوں مثلاً چین، امریکہ اور بھارت میں سروے کا اہتمام کیا۔ جس میں ایک ہزار سے زائد مختلف عمروں کے حامل افراد سے حلال فوڈ کے حوالے سے دریافت کیا گیا اور سروے کی روشنی میں بعض مقالات بھی تحریر کیے گئے۔ سروے کے نتائج کے مطابق اکثریت نے حلال فوڈ کی مقبولیت کے حوالے سے جہاں کئی ایک اسباب بتلائے، ان میں سے اہم ترین سبب یہ بتلایا کہ حلال اشیاء خصوصاً حلال فوڈ ان تمام اجزاء سے محفوظ ہیں جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوسکتے ہیں۔

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾(سورۃ الاعراف:157)

جس رسول ﷺ کو ہم نے تمہاری جانب بھیجا ہے وہ صرف پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لیے حلال قرار دیتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے صرف ان چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو فی نفسہ پاکیزہ اور ہر اعتبار سے محفوظ ہیں اور جو اشیاء گندی اور انسانی صحت کے لیے مضر اجزاء پر مشتمل ہیں، صرف وہی اشیاء کو تمہارے لیے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی شریعت میں اشیاء کے حلال وحرام کے موضوع کو جس شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا گیا ہے، دوسرے مذاہب میں اس کا عشر عشیر بھی موجود نہیں ہے۔

روح کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً اسلامی طریقہ سے ذبح کیے جانے والے جانور کے علاوہ ہر اس جانور کو حرام قرار دے دیا گیا ہے کہ جس کی موت اس انداز سے واقع ہو کہ اس کے بدن کے خون کا مکمل اخراج نہ ہوا ہو۔

اسی طرح خون اور خنزیر اور شراب کو حرام قرار دیا گیا، جن کے انسانی صحت اور اخلاق کے لیے مضر ہونے کی گواہی آج کی موجودہ سائنس دے رہی ہے، شراب کہ جس کو ام الخبائث قرار دیا گیا، جدید سائنسی تحقیق کے مطابق جہاں کئی ایک مہلک بیماریوں کا شاخسانہ ہے، وہیں اسی سے معاشرے میں کئی ایک اخلاقی اور روحانی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

انسانی معاشرے میں پاک دامنی، عفت وحیا اور نسب کی حفاظت کو فروغ دیا اور بے حیائی وفواحش کے راستوں کی ناکہ بندی ہے۔

الغرض اسلام میں حلال اور حرام کے پس پردہ ان پاکیزہ مقاصد کو دنیائے انسانیت تک پہنچانا، حلال کاروبار میں مشغول کمپنیوں کا وطیرہ ہونا چاہیے، اسی طرح لفظ حلال اسلام کی جانب دعوت فکر دے سکتا ہے، بشرطیکہ حلال کاروبار میں مصروف کاروباری اشخاص اس کو اسلام کی جانب بلانے کا ذریعہ بنائیں۔ لفظ حلال میں چونکہ جاذبیت ہے۔

چنانچہ بعض حد درجہ متعصب ملکوں میں لفظ حلال کے استعمال پر پابندی لگانے کی کوششیں جاری ہیں۔ جس

الغرض اسلام میں حلال اور حرام کے پس پردہ ان پاکیزہ مقاصد کو دنیائے انسانیت تک پہنچانا، حلال کاروبار میں مشغول کمپنیوں کا وطیرہ ہونا چاہیے، اسی طرح لفظ حلال اسلام کی جانب دعوت فکر دے سکتا ہے، بشرطیکہ حلال کاروبار میں مصروف کاروباری اشخاص اس کو اسلام کی جانب بلانے کا ذریعہ بنائیں۔ لفظ حلال میں چونکہ جاذبیت ہے۔ چنانچہ بعض حد درجہ متعصب ملکوں میں لفظ حلال کے استعمال پر پابندی لگانے کی کوششیں جاری ہیں۔ جس طرح حجاب پر پابندی لگانے پر زور دیا جارہا ہے تاکہ غیر مسلم معاشرے میں اسلام کو متعارف کروانے والی ہر چیز کا خاتمہ کیا جاسکے۔ افسوس کہ غیر مسلم نے لفظ حلال یا حجاب کی اہمیت کو جان لیا مگر ہم ابھی تک اس کی اہمیت کو سمجھ نہ سکے۔

درحقیقت اسلام کا انسانیت پر یہ ایک عظیم احسان ہے مگر بعض نادان لوگ اپنی ناقص عقل کے گھوڑے دوڑا کر اسلام میں حرمت اور حلت کے قوانین کو ان کی آزادی پر قدغن لگانے کے مترادف قرار دیتے ہیں، جب کہ اسلامی شریعت اپنے پیروکاروں کو جائز حدود میں رہتے ہوئے زندگی سے لطف اندوز ہونے سے منع نہیں کرتی۔

نیز اس حوالے سے اس امر کا جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلامی شریعت کے اہم مقاصد میں انسانی جان کو تحفظ فراہم کرنا، اس دنیا کو امن وسلامتی کا مقام بنانا بھی شامل ہے، لہٰذا اسلام میں صرف ان اشیاء یا ان کاموں کو حرام قرار دے دیا گیا جو نہ صرف جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہیں بلکہ انسانی اخلاق اور اس کی

جوئے کی حرمت پر نظر دوڑائیے تو جوئے کی اس لت سے تباہ شدہ کئی خاندان اور کئی شادی شدہ جوڑے آپ کے سامنے آجائیں گے۔

سود کو اگر حرام قرار دیا گیا ہے تو اس کا مقصد معاشرے سے امیدی اور غریبی کے فرق کو مٹانا اور امیر وغریب کے درمیان نفرت، حسد اور احساس کمتری وبرتری کی خلیج کو پاٹنا ہے اس کے مقابلے میں اسلام نے زکوۃ وصدقات اور مختلف گناہوں کے کفارے کی ادائیگی کو لازم قرار دے کر دولت کے بہاؤ کو امیروں سے غریب اور مفلوک الحال افراد اور خاندانوں کی جانب موڑ دیا ہے، جب کہ سود سے متعفن معاشرے میں دولت کا بہاؤ غریبوں سے امیروں کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اسی طرح رشتوں کی حرمت اور حلت کے پیچھے بھی

طرح حجاب پر پابندی لگانے پر زور دیا جارہا ہے تاکہ غیر مسلم معاشرے میں اسلام کو متعارف کروانے والی ہر چیز کا خاتمہ کیا جاسکے۔ افسوس کہ غیر مسلم نے لفظ حلال یا حجاب کی اہمیت کو جان لیا مگر ہم ابھی تک اس کی اہمیت کو سمجھ نہ سکے۔

☆☆☆

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کے دل کو کشادگی عطا کرے اور اسے علم سے بہرہ مند فرمائے، اسے خلوت اور قلت طعام کا اہتمام کرنا چاہیے؛ بے وقوفوں کی صحبت سے کنارہ کش رہنا چاہیے اور علم کے ایسے دعوے داروں سے بھی دور ہی رہنا چاہیے جن میں انصاف ہے اور نہ ہی ادب!“

(بستان العارفین للنووی، ص:48)



سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور ان سے محبت

حافظ شیر محمد الاثری

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بے شمار ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے (ایک دفعہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«أريتكِ فى المنام مرتين، أرى أنكِ في سرقة من حرير ويقول: هٰذه امرأتكَ، فأكشف فإذا هي أنتِ فأقول: إن يك هذا من عندالله يمضه»

"تم مجھے خواب میں دو دفعہ دکھائی گئی ہو، میں نے دیکھا کہ تم ایک سفید ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی تھیں اور (فرشتہ) کہہ رہا تھا: یہ آپ کی بیوی ہیں۔ میں وہ کپڑا ہٹاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ تم ہو۔ میں کہتا تھا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اُسے ضرور پورا کرے گا۔" (صحیح بخاری:3895)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کے پاس سیدنا جبریل علیہ السلام مجھے (میری تصویر کو) ریشم کے لباس میں لائے تو فرمایا:

"هذه زوجتكَ فى الدنيا والآخرة."

"یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔"

(صحیح ابن حبان، الاحسان:7052[7094] وسندہ حسن)

ایک روایت میں ہے کہ

"جاء الملك بصورتي إلى رسول الله ﷺ فتزوجني رسول الله ﷺ وأنا ابنة سبع سنين وأهديت إليه وأنا ابنة تسع سنين."

"(سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:) رسول اللہ ﷺ کے پاس فرشتہ میری تصویر لے کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شادی کی اور (اس وقت) میری عمر سات سال تھی اور نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی۔"

(المستدرک للحاکم 4/ 10 ح 6730 وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجۂ مبارکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«فأنتِ زوجتي فى الدنيا والآخرة»

"پس تُو دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہے۔"

(صحیح ابن حبان:7053[7095] وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم 4/ 10 ح6729 ووافقہ الذہبی)

رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک پر آنے والی آپ کی سب ازواج یقیناً جنت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی لیکن آپ نے خاص طور پر اپنی بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«أما إنك منهن»

"تم تو انہی میں سے ہو۔"

(صحیح ابن حبان:7054[7096] وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم 4/ 13 ح6743 ووافقہ الذہبی)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے (علانیہ) فرمایا:

"اني لأعلم أنها زوجته فى الدنيا والآخرة ......" (صحیح بخاری:3772)

"بے شک میں جانتا ہوں کہ وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) آپ ﷺ کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔"

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام»

"سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح تمام کھانوں سے ثرید افضل ہے۔"

(صحیح بخاری:3770، صحیح مسلم:2446[6299])

ثرید اس لذیذ کھانے کو کہتے ہیں جسے روٹی کو چُور کر گوشت کے شوربے میں بھگو کر بنایا جاتا ہے۔

نبی ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«أي بنية! ألستِ تحبين ما أحب؟»

"اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟"

انہوں نے فرمایا: جی ہاں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

«فأحبي هٰذه»

"پس تم اس (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے محبت کرو۔"

(صحیح مسلم:83/2442[6290])

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "آپ لوگوں میں سے کس سے زیادہ محبت کرتے ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: «عائشة» میں سب سے زیادہ عائشہ سے محبت کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری:3662، صحیح مسلم:2384[6177])

نبی کریم ﷺ نے (ایک دفعہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«يا عائش! هٰذا جبريل يقرئكِ السلام»

"اے عائش (عائشہ)! یہ جبریل تجھے سلام کہتے ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"وعليه السلام ورحمة الله."

"اور ان پر (بھی) اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔"

(صحیح بخاری:6201، صحیح مسلم:91/2447[6304])

ایک روایت میں "وعليه السلام ورحمة الله

وبرکاته" کے الفاظ ہیں۔(صحیح بخاری:3768)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«لاتؤذيني في عائشة، فإنه والله ما نزل علي الوحي وأنا في لحاف امرأةٍ منكن غيرها»

"مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دو، بے شک اللہ کی قسم! مجھ پر تم میں سے صرف عائشہ کے بستر پر ہی وحی نازل ہوتی ہے۔" (صحیح بخاری:3775)

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر جب بھی کسی حدیث میں اشکال ہوا تو ہم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اور ان کے پاس اس کے بارے میں علم پایا۔"

(جامع ترمذی:3883 وقال:"ھذا حدیث حسن صحیح غریب" وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ (امت میں) پہلی خاتون ہیں جن کا بے گناہ ہونا آسمان سے نازل ہوا۔"

(فضائل الصحابۃ للامام احمد 2/872ح1636 وسندہ صحیح)

اس کے علاوہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور بہت سی خوبیاں بیان کیں تو سیدہ نے فرمایا:

"دعني منك يا ابن عباس! والذي نفسي بيده! لوددت أني كنت نسيًا منسيًا."

"اے ابن عباس! مجھے چھوڑ دو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی ہوئی گمنام ہوتی۔"

(مسند احمد:1/277ح2496 وسندہ حسن، طبقات ابن سعد 8/74 وسندہ صحیح) نیز دیکھئے صحیح بخاری(3771)

نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا آخری زمانہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزرا۔(صحیح بخاری:3774)

بلکہ آپ کی وفات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں ہوئی۔(صحیح بخاری:4449و صحیح مسلم:2443)

عیسیٰ بن دینار (ثقہ راوی) نے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

"استغفر الله لها."

"میں ان کے لئے اللہ سے استغفار (مغفرت کی دعا) کرتا ہوں۔" (طبقات ابن سعد:8/74 وسندہ صحیح)

مشہور ثقہ فقیہ عابد تابعی ابو عائشہ مسروق بن الاجدع الکوفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"حدثتني الصديقة بنت الصديق، حبيبة حبيب الله، المبرّأة."

"مجھے صدیق کی بیٹی (عائشہ) صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی (جو) اللہ کے حبیب کی حبیبہ ہیں (اور) پاک دامن ہیں۔" (مسند احمد:6/241ح26044 وسندہ صحیح)

اُم ذرہ (ثقہ راویہ) سے روایت ہے کہ

"سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو بوریوں میں ایک لاکھ کی مالیت کا مال بھیجا تو انھوں نے ایک ٹرے منگوا کر اسے لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔"

اس دن آپ روزے سے تھیں۔

جب شام ہوئی تو آپ نے فرمایا:

میری افطاری لے آؤ۔اُم ذرہ نے کہا: اے ام المومنین! کیا آپ یہ نہیں کر سکتی تھیں کہ جو مال تقسیم کر دیا ہے، اس میں سے پانچ درہم بچا کر ان سے گوشت خرید لیتیں اور اس سے روزہ افطار کرتیں؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

مجھے ملامت نہ کرو، اگر تم مجھے یاد دلا دیتیں تو میں یہ کر دیتی۔(طبقات ابن سعد:8/67 وسندہ صحیح)

ایک دفعہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن رحمہا اللہ باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو انہوں نے اس دوپٹے کو پھاڑ دیا اور حفصہ کو موٹا گاڑھا دوپٹہ اوڑھا دیا۔(الموطأ، روایۃ یحییٰ 2/ 913 ح 1758، وسندہ صحیح)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے سیدنا عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے تین سال پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئی تھیں۔ آپ نے تقریباً دو سال بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان کی عمر 6 سال تھی پھر 9 سال کی عمر میں وہ آپ کے گھر تشریف لائیں۔(صحیح بخاری: 3896، صحیح مسلم: 1422)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ بچی کا نکاح ہو سکتا ہے لیکن رخصتی بلوغ کے بعد ہو گی۔

6 یا 7 سال کی عمر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح اور نو سال کی عمر میں رخصتی والی حدیث متواتر ہے۔

1۔ عروہ بن الزبیر

2۔اسود بن یزید [صحیح مسلم: 72/ 1422 وترقیم دارالسلام:3482]

3۔یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب [مسند ابی یعلیٰ: 4673 وسندہ حسن]

4۔ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف [سنن النسائی 6/ 131ح3381 وسندہ حسن]

5۔عبداللہ بن صفوان [المستدرک للحاکم 4/ 10 ح 6730 وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی]

اسے ان سب نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔

عروہ سے ہشام بن عروہ اور زہری (صحیح مسلم: 1422) نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ہشام بن عروہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے اور وہ تدلیس کے الزام سے بری ہیں۔ (دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین:1/30-31)

ہشام بن عروہ سے یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی رحمہ اللہ (مسند احمد:6/118؛ ح 24867 وسندہ حسن، المعجم الکبیر للطبرانی: 23/21؛ ح 46

وسندہ حسن) نے بیان کر رکھی ہے۔

تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے درج ذیل تابعین سے اس مفہوم کے اقوال ثابت ہیں:

1۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (مسند احمد: 6/211 ح25769 وسندہ حسن)

2۔ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب (ایضاً وسندہ حسن)

4۔ ابن ابی ملیکہ (المعجم الکبیر 23/ 26 ح 62 وسندہ حسن)

4۔ عروہ بن زبیر (صحیح بخاری: 3896، طبقات ابن سعد: 8/60 وسندہ صحیح)

5۔ زہری (طبقات ابن سعد: 8/61، وھو حسن)

لہٰذا اس کا انکار کرنا باطل و مردود ہے۔

اس مسئلے پر اجماع ہے۔ (دیکھئے البدایہ والنہایہ: 3/129)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے 2ہزار 2سو 10 (2210) احادیث مروی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: 2/139)

قولِ صحیح کے مطابق آپ کی وفات ستاون ہجری (57ھ) میں ہوئی۔ (تقریب التہذیب: 8633)

اور آپ کی نمازِ جنازہ سیدنا امیر المومنین فی الحدیث الامام الفقیہ المجتہد المطلق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

(التاریخ الصغیر للبخاری: 1/128، 129، وسندہ صحیح؛ ماہنامہ الحدیث: 32 ص 11)

رضي الله عنها وعن سائر المؤمنين والمؤمنات. آمين

☆☆☆

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وكل مؤمن تقيٍّ: وليٌّ لله

''ہر پرہیز گار مومن، اللہ کا ولی ہے!''

(جامع المسائل: 2/66)

☆☆☆

برمنگھم کی ہر دلعزیز شخصیت اور بے لوث خدمت گار محمد بشیر کا انتقال

برمنگھم کے ہر دلعزیز محمد بشیر حافظ آبادی کی وفات، قاری ذکاء اللہ سلیم نے گرین لین مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی، برمنگھم میں تدفین عمل میں آئی۔ ہر ذی روح کو ایک دن اس دنیائے فانی سے دار البقا کو جانا ہے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾

(سورۃ آل عمران: 185)

مگر بعض لوگ اپنے حسن کردار سے ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ بھولنا چاہیں بھی تو بھول نہیں پاتے ہیں، ان ہی باکردار لوگوں میں محمد بشیر حافظ آبادی گوجرانوالہ تھے، ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ مجھ سے مخلص اور ہمدرد ہیں، صحیح معنوں میں یہ ہر دلعزیز اور بے لوث خدمت کرنے والے تھے۔ 60 سال پورے ہونے میں صرف ایک دن باقی تھا کہ اچانک برین ہمرج اور چند گھنٹوں وہ سب عزیز واقارب کو داغ مفارقت دے کر اللہ کو پیارے ہوگئے، ہر خیر کے کاموں میں وہ آگے آگے رہتے، الہجرہ ٹرسٹ کے ٹرسٹی بھی تھے اور جمعہ کے بعد مسجد کے لیے چندہ مانگتے تھے، گرین لین مسجد یا الہجرہ مسجد میں مولانا عبد الہادی العمری کی خواتین وحضرات کے لیے قرآن حکیم کی کلاسز لگتی تو مرحوم سب سے پہلے آکر تمام کے لیے کرسیاں لگاتے اور کلاسز ختم ہونے کے بعد تمام کرسیوں کو اپنی جگہ لگانا وہ اپنے فرائض منصبی سمجھتے تھے ہر ایک سے مسکرا کر ملنا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

”تم دوسروں سے ایسے ملو کہ تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور تبسم ہو۔“

گویا کہ اس حدیث کا وہ مصداق تھے، جامع مسجد گرین لین میں جب وہاں کے امام وخطیب قاری ذکاء اللہ سلیم نے نماز جنازہ سے قبل کہا کہ محمد بشیر کی برادری کے لوگ یہاں بہت قلیل ہیں کہ ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے مگر یہاں مسجد کا وسیع وعریض ہال اور خواتین کا اتنا بڑا ہال سب کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔ اتنے سارے لوگ کہاں سے آئے ہیں پھر انہوں نے ہی کہا کہ یہ مرحوم کے حسن اخلاق اور ہر ایک کی خدمت کرنے اور پیار ومحبت اور خلوص سے ملنے کا نتیجہ ہے ہر ایک انہیں اپنی برادری کا سمجھتے ہیں۔

اللهُ أكبرُ كبيرًا والحمدُ للهِ كثيرًا وسبحانَ اللهِ بكرةً وأصيلًا

ایک بیٹا، بیٹی، داماد، محمد اقبال، عامر اقبال، محمد سہیل، محمد صالحین اجمیری، محمد فاروق نسیم، افتخار احمد جگنو، مولانا محمد عبد الہادی العمری، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، سید یعقوب علی، محمد سجاد، خالد کھوکھر، حاجی اصغر بٹ، حاجی اکبر بٹ، حاجی محمد صدیق، شیخ یحییٰ الیمانی، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب، قاری عبد العزیز، قاری عبد السمیع، قاری عبد الصمد اور دیگر حضرات وخواتین شریک جنازہ تھے، سٹن کولڈ فیلڈ قبرستان برمنگھم میں تدفین عمل میں آئی، پیشہ کے اعتبار سے وہ بلیک کیپ چلاتے تھے اوراسی میں بچت کر کے یہاں اور پاکستان میں مستحقین کی مدد کرتے تھے، اللہ پاک ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے۔

آمین یارب العالمین

ان کے فرزند کا نام حسن بشیر ہے، یہ بیٹ بھی والد مرحوم کی طرح سیدھا سادھا ہے، شاطر اور بہت زیادہ چالاک نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایسے لوگ جنت کے مستحق ہیں، سچ ہے۔

اب ہم بھی ٹھہرے ہوئے ہیں کوئی دم بھر کے واسطے
دوستو فانی ہے دنیا ساتھ والے چل بسے

☆☆☆



قربانی کی روح

شریعت کے وہ چند مسائل جو ہماری توجہ کسی نہ کسی تاریخی واقعہ کی طرف مبذول کرتے ہیں ان میں سے ایک قربانی بھی ہے۔ ایسے مسائل سے مقصود محض انہیں مقررہ وقت پر کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان تاریخی واقعات پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے اس جذبہ عبادت اور قربانی کی ناقابل فراموش کنہ وحقیقت کو سمجھ کر اپنانے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے جس کے باعث یہ مسائل ہماری اسلامی روایات میں جزوِلاینفک کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جیسا کہ حاجیوں کے لیے صفامروہ کی سعی کرنا محض ایک دوڑ نہیں ہے بلکہ یہ اس تاریخی واقعہ کی غماز ہے جس میں ایک طرف ننھا سا بچہ شدتِ پیاس کے باعث زمین پر ایڑیاں مارتا نظر آتا ہے اور دوسری طرف سیدہ ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں صفامروہ کی پہاڑیوں کے چکر لگاتی نظر آتی ہیں کہ جنہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی تمام تر محبتیں قربان کر کے مکہ کی بے آب وگیاہ زمین میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔ بعینہٖ قربانی کا مسئلہ بھی ہے یعنی عید قربان کے دن جانور ذبح کرنا، کچھ گوشت تقسیم کر دینا، کچھ کھا لینا اور پھر خود کو شریعت کے ہر حکم سے آزاد تصور کرنا اور قربانی کے مقصد یا غرض وغایت پر سنجیدگی سے غور وفکر نہ کرنا، کسی طور کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جانور قربان کرنے کے ساتھ ساتھ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثالی اطاعت وفرمانبرداری اور اثر آفریں عقیدت وارِدات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنا کم سن خوبصورت بیٹا بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔

اگرچہ چھری ذبح نہ کر سکی اور پھر حکم الٰہی کے مطابق مینڈھا ذبح کر دیا گیا لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے کیسی محبت ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا کیسا جذبہ ہو گا کہ جس کی بدولت وہ اس مشکل ترین عمل سے بھی پیچھے نہ ہٹے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس محبت واطاعت کا صلہ یوں دیا کہ اس عمل کو تمام مسلمانوں کے لیے مسنون قرار دے کر قیامت تک کے لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو جاری وساری کر دیا۔

لامحالہ ہم سے بھی اسلام صرف جانوروں کی قربانی نہیں چاہتا بلکہ اس جذبہ اطاعت اور خشیتِ الٰہی کو بھی اُجاگر کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے ہم اپنی ہر چیز بوقتِ ضرورت اللہ تعالیٰ کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار ہو جائیں اور یقیناً آج اسلام کو جانوروں کی قربانیوں سے کہیں زیادہ ہماری محبوب ترین اشیا یعنی مال، اولاد اور جان کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس عمل کو محض ایک تہوار ورسم سمجھتے ہوئے تفاخر اور ریاء ونمود کا ذریعہ ہی نہ بنا ڈالیں کہ جس کے باعث ہمیں دنیا میں تو اسلامی شعائر وروایات اپنانے کا اعزاز مل جائے لیکن ہماری عقبیٰ تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے بلکہ ہمیں چاہیے کہ اس عمل کے پیچھے چھپی اُس عظیم قربانی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے ایمانوں کو اس قابل بنائیں جو ہمیں دنیاوی لہو ولعب اور مصنوعی عیش ونشاط سے نکال کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ رضائے الٰہی کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار کر دے۔

قربانی کا معنی ومفہوم اور وجہ تسمیہ

لفظ قربانی 'قربان' سے مشتق ہے اور مصباح اللغات کی رو سے لغوی طور پر قُربان سے مراد:

"ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے چاہے ذبیحہ ہو یا کچھ اور۔" (ص668)

صاحبِ قاموس فرماتے ہیں کہ "قُربان 'ضمہ' کے ساتھ یہ ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔" (القاموس المحیط:127)

صاحب المعجم الوسیط فرماتے ہیں کہ

"قربان ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے خواہ وہ ذبیحہ ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور۔" (المعجم الوسیط:ص723)

بعض علما نے کہا ہے کہ لفظِ قربانی قرب سے مشتق ہے چونکہ اس عمل کے ذریعے قربِ الٰہی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اسی لیے اسے قربانی کا نام دیا گیا ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے قربانی سے مراد

"اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں وغیرہ میں سے کوئی جانور عید الاضحیٰ کے دن یا ایامِ تشریق میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے قربان کرنا ہے۔" (فقہ السنۃ از سید سابق:3/195)

قربانی کی مشروعیت

قربانی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ دونوں کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں انبیا کی سنت اپنانے اور اتباع کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ (سورۃ آلِ عمران:31)

علاوہ ازیں قربانی کی مشروعیت کے مزید دلائل حسبِ ذیل ہیں:

1۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ
﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (سورۃ الکوثر:2)
"پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔"

2۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
"نبی کریم ﷺ 2 مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی 2 مینڈھوں کی قربانی کرتا تھا۔" (صحیح بخاری:5553)

3۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جس کے پاس وسعت وطاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی ہر گز نہ آئے۔" (سنن ابن ماجہ:3123)

4۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جس نے نماز سے پہلے (جانور) ذبح کر لیا، وہ دوبارہ قربانی کرے۔" (صحیح بخاری:5549)

5۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
"اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی (کرنا مشروع) ہے۔" (سنن ابن ماجہ:3125)

6۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ
"مسلمانوں کا قربانی کی مشروعیت پر اجماع ہے۔" (المغنی:13/360)

قربانی کا حکم

اگرچہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور بعض علما نے صاحبِ استطاعت شخص کے لیے اسے واجب بھی قرار دیا ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ قربانی سنتِ موکدہ ہے اور یہ موقف محض راقم ہی کا نہیں بلکہ درج ذیل کبار علما بھی یہی موقف رکھتے ہیں:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی ہے:
"هي سنة ومعروف."(صحیح بخاری:5545)
"یہ سنت ہے اور یہ امر مشہور ہے۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ کا فتویٰ:
"اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اسی پر عمل کرنا مستحب ہے اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام ابن مبارک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔" (جامع ترمذی: بعد الحدیث؛1506)

وہ صورتیں جن میں قربانی واجب ہو جاتی ہے:

1۔ اگر کوئی شخص نذر کے ذریعے اپنے اوپر قربانی واجب کرلے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (سورۃ الدھر:7) "وہ نذر پوری کرتے ہیں۔"
اور ایک حدیث میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
"جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی نذر مانی، وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کر لے)۔" (صحیح بخاری:6696)

2۔ کسی جانور کے متعلق اگر یہ نیت کر لی جائے کہ یہ اللہ کے لیے ہے یا یہ صرف قربانی کے لیے ہے تو پھر اسے اللہ کے لیے قربان کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ وقف ہو چکا ہے اور وقف چیز کا حکم یہ ہے کہ نہ تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے وراثت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے بلکہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی صرف کیا جائے گا جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔ (صحیح مسلم:4224)

3۔ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں شکار کے جانور کو قتل کر بیٹھا تو اس پر فدیہ کے طور پر قربانی لازم ہو جائے گی۔ (سورۃ المائدۃ:95)

4۔ حج تمتع یا حج قران کرنے والوں کے لیے بھی قربانی کرنا واجب ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقہ الحدیث از راقم اور مناسکِ حج از البانی

جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتا، وہ کیا کرے؟

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قربانی سنتِ موکدہ ہے اور تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس لیے جو قربانی کر سکتا ہے اسے ضرور قربانی کرنی چاہیے لیکن اگر کوئی اس کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو تو یقیناً اسے قربانی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ تو سنت ہے اور اگر انسان طاقت نہ ہونے کی وجہ سے فرض زکوۃ بھی ادا نہ کرے یا فرض حج بھی نہ کرے تب بھی اس پر بالاتفاق کوئی گناہ نہیں۔ ہاں ایسا شخص اگر قربانی کا اجر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ ذوالحجہ کا چاند طلوع ہونے کے بعد اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے، بلکہ عید کے روز تک انہیں موخر کر دے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
"مجھے یوم الاضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا: آپ مجھے بتلائیں کہ اگر میں قربانی کے لیے مؤنث دودھ دینے والی بکری کے سوا نہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، لیکن تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی مونچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونڈ دینا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری مکمل قربانی ہو جائے گی۔" (سنن ابو داؤد: 2789، کتاب الضحایا)

قربانی کی فضیلت

قربانی کی فضیلت میں مندرجہ ذیل روایت پیش کی جاتی ہے:
«ماعمل ابن آدم يوم النحر عملا أحب إلى الله من إراقة دم وإنها لتأتي يوم

القيامة بقرونها وأظلافها وأشعارها وإن الدم ليقع من الله عزوجل بمكان قبل أن يقع على الأرض فطيبوا بها نفسا»

"10 ذوالحجہ کو خون بہانے سے بڑھ کر ابن آدم اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بہتر عمل نہیں کرتا۔ یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں ،کھروں اور بالوں سمیت آئیں گے اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں اس کا ایک مقام ہوتا ہے سو تم یہ قربانی خوش دلی سے دیا کرو۔"

لیکن یہ روایت ثابت نہیں ، کما قال الألباني (ضعیف ترمذی: 1493) مزید تفصیل کے لیے: 'فضائل قربانی کی احادیث کا علمی جائزہ' از غازی عزیر (ماہنامہ محدث: ج23،عدد3)

تاہم قربانی کی سنت پر عمل کا جو اجر وثواب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے، وہ بہر حال قربانی کرنے والے کو ضرور ملے گا کیونکہ قربانی عبادت اور نیک عمل ہے اور ہر نیکی کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾

"جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا ملیں گے۔" (سورۃ الانعام:160)

قبولیتِ قربانی کی شرائط

1۔ قربانی خالص اللہ کی رضا کے لیے کی جائے،کیونکہ قربانی عبادت ہے اور کوئی بھی عبادت اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ خالصتاً اللہ کے لیے نہ کی جائے جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّـهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (سورۃ البینہ:5)

"انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کیلئے دین کو خالص کریں۔"

اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إنما الأعمال بالنيات »

"عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" (صحیح بخاری:1)

علاوہ ازیں قربانی کے متعلق بالخصوص ایک آیت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّـهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ الانعام:162)

"آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔"

قربانی نہ تو غیر اللہ کے لیے جائز ہے اور نہ ہی ایسی جگہ پر درست ہے جہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہو نیز ایسی قربانی بھی حلال نہیں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے اپنے والد پر لعنت کی، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے زمین کی علامات تبدیل کردیں۔" (صحیح مسلم:141)

2۔ پاکیزہ مال سے ہو، حرام مال سے نہ ہو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا» (صحیح مسلم:2346)

"اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔"

سود کی آمدن یا حرام مال سے کی ہوئی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم:2346، کتاب الزکوۃ اور مسلم: 535، کتاب الطہارۃ)

3۔ سنت کے مطابق ہو جیسا کہ اگر کوئی شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرلے تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ اس کا مفصل بیان آئندہ صفحات میں آئے گا۔

4۔ قربانی ایسے جانوروں کی نہ ہو جن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بھی تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

ایسے جانوروں کی قربانی کی جائے جن پر بهيمة الأنعام کا لفظ بولا جاتا ہے، قرآن میں ہے

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّـهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾

"اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔" (سورۃ الحج:34)

بھیمۃ ایسے جانوروں کو کہتے ہیں جو چار ٹانگوں والے ہوں خواہ پانی میں ہی ہوں جیسا کہ صاحبِ قاموس نے اس کی یہی وضاحت کی ہے۔

(القاموس المحیط:بھم) اور اَنعام میں چار قسم کے نر اور مادّہ جانور شامل ہیں:

1۔اونٹ 2۔ گائے 3۔ بھیڑ 4۔ بکری

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر فتح القدیر: 2/210 اور تفسیر ابن کثیر: 3/100)

علاوہ ازیں مذکورہ مویشیوں میں ہر ایک کا مُسِنّة (یعنی دوندا) ہونا بھی ضروری ہے، ہاں اگر کوئی مجبوری ہو یا ایسا جانور میسر نہ ہو تو بھیڑ کا کھیرا بھی کفایت کرجاتا ہے جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاتذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن» (صحیح مسلم:117)

"مُسِنّہ ہی ذبح کرو، الا یہ کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کرلو۔"

یاد رہے کہ بھیڑ کے کھیرے کی اجازت کا مفہوم یہ ہر گز نہیں ہے کہ ہر حال میں اس کی قربانی جائز ہے جیسا کہ آج کل بعض مقامات پر قربانی کا جانور بیچنے والے یہی کہہ کر عوام کو جانور فروخت کر رہے ہوتے ہیں کہ کھیرے کی قربانی بھی جائز ہے، حالانکہ اس کی قربانی صرف ایک خاص صورت (یعنی مجبوری و تنگ دستی) میں ہی جائز قرار دی گئی ہے اگر یہ صورت نہ ہو تو مُسِنّہ کے علاوہ کوئی جانور بھی کفایت نہیں کرے گا۔

مُسِنّۃ (یعنی دوندا) ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں۔ امام نووی ؒ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں کہ

المسنة هي الثنية من كل شيءمن الإبل والبقر والغنم فما فوقها وهذا تصريح بأنه لايجوز الجذع من غير الضأن في حال من الأحوال

"مُسِنّۃ اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ میں سے دو ندے کو کہتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ بھیڑ کے علاوہ کسی حالت میں کھیرا قربان کرنا جائز نہیں۔" (شرح نووی: 13/99؛ نیل الاوطار: 5/202)

نیز واضح رہے کہ اونٹوں میں دوندا عمر کے پانچویں سال میں ہوتا ہے، گائے میں دوندا عمر کے تیسرے سال میں ہوتا ہے اور بکری میں دوندا عمر کے دوسرے سال میں ہوتا ہے اور کھیرا (جذعہ) بھیڑ کا وہ بچہ ہوتا ہے جو ایک سال کا ہو اور دوندا نہ ہو۔ لہٰذا اونٹ، گائے اور بکری میں دوندے سے کم عمر والے جانور کی قربانی جائز نہیں، البتہ دنبے میں (کسی مجبوری کے وقت) دوندے سے کم عمر کے جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔ مزید تفصیل کیلئے: 'جذعۃ من الضأن کی تحقیق' از عبد الرحمن عزیز (محدث: ج31/عدد 3)

رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل

1۔ سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ

"انكفأ رسول الله ! إلى كبشين أقرنين أملحين فذبحهما بيده"

"رسول اللہ ﷺ سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔" (صحیح بخاری: 5554)

2۔ سیدنا ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ

"كان رسول الله ! يضحي بكبش أقرن فحيل ينظر في سواد ويأكل في سواد ويمشي في سواد." (سنن ابو داؤد: 2796)

"رسول ﷺ سینگ والا موٹا تازہ مینڈھا ذبح کرتے جس کی آنکھیں، منہ اور ٹانگیں سیاہ ہوتیں۔"

3۔ سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ

"نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینہ میں دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔" (سنن ابو داؤد: 2793)

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

امام شوکانی ؒ کا فتویٰ: "اور افضل قربانی وہ ہے جو زیادہ موٹی تازی ہو۔" (الدرر البھیۃ: کتاب الاضحیۃ)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں کہ

"سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے، پھر گائے کی اور پھر بکری کی۔" (ایضا: کتاب الحج)

امام ابن قدامہ ؒ کا فتوی:

"قربانیوں میں افضل اونٹ ہے پھر گائے ہے پھر بکری ہے پھر اونٹ میں شریک ہونا ہے اور پھر گائے میں شریک ہونا ہے۔" (المغنی: 13/366)

سعودی مجلس افتا کا فتویٰ:

"قربانیوں میں افضل اونٹ، پھر گائے پھر بکری اور پھر اونٹنی یا گائے کی قربانی میں شرکت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جمعہ کے متعلق فرمایا:

"جو پہلی گھڑی میں (مسجد میں) گیا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی، اور جو دوسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی، اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی اور جو چوتھی گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک انڈہ قربان کیا۔"

اس حدیث میں محل شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب میں اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت کا وجود ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اونٹ قیمت، گوشت اور نفع کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد ؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالک ؒ نے فرمایا کہ (قربانی میں) افضل بھیڑ کا کھیرا ہے پھر گائے اور پھر اونٹ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے دو مینڈھے قربان کیے اور آپ ﷺ صرف افضل کام ہی کرتے تھے۔ اس کے جواب میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ بعض اوقات غیر افضل کام کو بھی امت پر نرمی کرنے کی غرض سے اختیار فرما لیا کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کی اقتدا کرتے تھے اور آپ ﷺ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان پر مشقت ڈالیں لیکن آپ ﷺ نے اونٹ کی گائے اور بھیڑ بکریوں پر فضیلت بیان کر دی ہے جیسا کہ ابھی پیچھے گذرا ہے۔ واللہ اعلم (فتاویٰ اسلامیہ: 2/320)

1۔ قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا کرنا مستحب ہے۔ (المغنی: 13/367، صحیح بخاری: 5553)

خصی جانور کی قربانی

خصی جانور کی قربانی جائز ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ

"رسول اللہ ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے بڑے موٹے تازے سینگ والے' چتکبرے خصی مینڈھے خرید لاتے۔" (سنن ابن ماجہ: 3122)

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ "نبی ﷺ نے قربانی کے دن سینگ والے 2 چتکبرے خصی مینڈھے ذبح کیے۔" (سنن ابو داؤد: 2795)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

"خصی جانور (قربانی میں) کفایت کر جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے 2 خصی مینڈھے ذبح کیے۔" (المغنی: 13/371)

سید سابق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "خصی جانور کی قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" (فقہ السنہ: 3/196)

بھینس کی قربانی

شریعت نے ایسے جانور بطور قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جن پر بهيمة الأنعام کا لفظ بولا جا سکتا ہو اور وہ جانور صرف اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری ہیں جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے اس لیے صرف انہی جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے اور بھینس کی قربانی سے اجتناب ہی بہتر ہے بالخصوص اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی بھینس کی قربانی ثابت نہیں ہے۔ تاہم بعض اہل علم اسے گائے کی نوع میں شمار کر کے قابل قربانی قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

کن جانوروں کی قربانی جائز نہیں؟

1۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أربع لاتجوز في الأضاحي:العوراء بيّن عورها والمريضة بين مرضها والعرجاء بين ظلعها والكسير التي لاتنقي» (سنن ابو داؤد: 2802)

"چار جانور قربانی میں جائز نہیں: واضح طور پر آنکھ کا کانا، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، اور ایسا کمزور جس میں چربی نہ ہو۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

أمرنا رسول الله ! أن نستشرف العين والأذن

"رسول اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھیں۔" (سنن ابو داؤد: 2704)

اس بنا پر بیان کردہ اوصاف والے جانور کی قربانی ناجائز ہوگی۔

حاملہ جانور کی قربانی

حاملہ جانور کی قربانی جائز ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس پر شاہد ہے:

"سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پیٹ کے بچے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو اسے کھالو۔" اور مسدد رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی' گائے اور بکری ذبح کرتے ہیں تو ہم اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں کیا ہم اسے پھینک دیں یا اسے کھالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو اسے کھالو کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہی ہے۔" (سنن ابو داؤد: 2827)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ جانور خواہ اونٹنی ہو، گائے ہو یا بکری ہو اسے قربانی کے لیے ذبح کیا جا سکتا ہے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ذبح کیے بغیر کھانا درست ہے لیکن اگر طبعی کراہت کے پیش نظر اسے پھینک دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کو لازمی طور پر پیٹ کا بچہ کھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسے ان کی طبیعت و چاہت پر ہی معلق رکھا۔

علاوہ ازیں بعض حضرات نے جو اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے: "بچے کو بھی اسی طرح ذبح کرو جیسے اس کی ماں کو ذبح کرتے ہو۔"

یہ تاویل نہایت بے بنیاد ہے اور مذکورہ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی اس کا رد کر دیتی ہے۔

قربانی کے جانور پر سوار ہونا

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو قربانی کا جانور لے جاتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا۔ اس نے کہا کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا افسوس! سوار بھی ہو جاؤ (ویلک آپ ﷺ نے) دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا۔" (صحیح بخاری، کتاب الحج، باب رکوب البدن: 1689؛ صحیح مسلم: 2323)

اس حدیث کی شرح میں مولانا داؤد راز رحمۃ اللہ نقل کرتے ہیں کہ

"زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ سائبہ وغیرہ جو جانور مذہبی نیاز نذر کے طور پر چھوڑ دیتے ان پر سوار ہونا معیوب جانا کرتے تھے۔ قربانی کے جانوروں کے متعلق بھی جو کعبہ میں لے جائی جائیں ان کا ایسا ہی تصور تھا۔ اسلام نے اس غلط تصور کو ختم کیا اور نبی کریم ﷺ نے بالاصرار حکم دیا کہ اس پر سواری کرو تاکہ راستہ کی تھکن سے بچ سکو۔ قربانی کے جانور ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے معطل کر کے چھوڑ دیا جائے۔ اسلام اسی لیے دین فطرت ہے کہ اس نے قدم قدم پر انسانی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھا ہے اور ہر جگہ عین ضروریات انسانی کے تحت احکامات صادر کیے ہیں۔ (شرح بخاری: 3/42)

مزید اسی حدیث کے متعلق امام ترمذی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں کہ

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح حدیث ہے اور بے شک نبی ﷺ کے صحابہ اور ان کے علاوہ

دوسرے لوگوں میں سے اہل علم کی ایک جماعت نے قربانی کے اونٹ پر سواری کی رخصت دی ہے جبکہ وہ شخص اس کی سواری کا محتاج ہو اور یہی قول امام شافعی، امام احمد اور اسحق رحمۃ اللہ علیہم کا بھی ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ جب تک وہ شخص اسکی طرف مجبور نہ ہو جائے سواری نہ کرے۔" (جامع ترمذی: کتاب الحج، باب ماجآء فی رکوب البدنۃ)

کیا قربانی کا جانور فروخت کیا جاسکتا ہے؟

اگر انسان قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو پھر اسے فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ اب وہ جانور اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے اب اسے صرف اللہ کے لیے قربان کرنا ہی ضروری ہے جیسے وقف شدہ مال کو نہ فروخت کرنا جائز ہے، نہ ہبہ کرنا جائز ہے اور نہ ہی وراثت میں تقسیم کرنا جائز ہے بلکہ اسے اللہ ہی کے لیے صرف کرنا ضروری ہے۔ (صحیح مسلم: 4224)

ہاں اگر اسے فروخت کرنے سے مقصود اسے تبدیل کرنا ہے تو درست ہے مثلاً اگر کوئی شخص بکری خرید لایا ہے لیکن پھر وہ اسے فروخت کر کے گائے خریدنا چاہتا ہے تو یہ درست ہے کیونکہ یہ افضل قربانی کی طرف پیشرفت ہے۔ اور اس صورت میں بھی فروخت کرنا جائز ہے کہ اگر جانور خریدنے کے بعد علم ہو کہ یہ بیمار ہے یا اس میں کوئی ایسا نقص ہے جس کی وجہ سے یہ قربانی کے قابل نہیں تو اسے فروخت کر کے دوسرا جانور خریدا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

قربانی کرنے والا کن امور سے اجتناب کرے؟

جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ جیسا کہ سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا رأيتم هلال ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فليمسك عن شعره وأظفاره» (صحیح مسلم: 3655)

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ

"سیدنا سعید بن مسیب، امام ربیعہ، امام احمد، امام اسحاق، امام داؤد اور بعض اصحابِ شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر اپنے بال اور ناخن میں سے کچھ بھی کاٹنا اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ وہ شخص قربانی کے اوقات (ایام تشریق) میں قربانی نہ کرلے۔" (شرح مسلم: 154/7؛ المغنی: 362/13)

جو شخص قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے بال، ناخن کاٹنے کی ممانعت نہیں، تاہم اگر وہ بھی ان دنوں بال اور ناخن نہ کاٹے تو اسے بھی قربانی کا ثواب مل جاتا ہے۔ دیکھئے: حدیث سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ زیر عنوان "جو قربانی کی طاقت نہ رکھے۔۔۔" (سنن ابو داؤد: 2789)

جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟

شیخ ابن جبرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ

"جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور اپنے چمڑے (یعنی جسم) سے کچھ نہ کاٹے۔" (اس حدیث میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر نہیں کیا جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو لیکن بعض علمانے ایسے شخص کا (بال وغیرہ) کاٹنا بھی ناپسند کیا ہے جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو اس کے ساتھ کہ ان میں سے جس نے کسی چیز کو کاٹا نہ تو اس پر کوئی فدیہ ہے، نہ اس کی قربانی باطل ہو گی اور نہ ہی اسے قربانی کرنے سے پیچھے ہٹنا چاہیے وہ ان شاء اللہ اس کی طرف سے قبول ہو جائے گی۔ (فتاویٰ اسلامیہ: 318/2)

قربانی کا وقت

قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی خواہ وہ کسی بھی علاقے میں ہو اس کی قربانی قبول نہیں ہو گی بلکہ اسے نماز عید کے بعد قربانی کے لیے دوسرا جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لیتا ہے وہ صرف اپنے کھانے کے لیے جانور ذبح کرتا ہے اور جو نمازِ عید کے بعد قربانی کرے اس کی قربانی پوری ہوتی ہے اور وہ مسلمانوں کی سنت کو پالیتا ہے۔" (صحیح بخاری: 5556 نیز: 5562، 5561، 5560، 5549)

قربانی کتنے دنوں تک کی جاسکتی ہے؟

عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن یعنی 13/ذوالحجہ کی شام تک قربانی کی جاسکتی ہے کیونکہ عید الاضحیٰ کے بعد 13، 12، 11 ذوالحجہ کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ (تفسیر احسن البیان: 82؛ نیل الاوطار: 490/3)

اور تمام ایام تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

عن جبير ين مطعم عن النبيﷺ! :كل أيام التشريق ذبح

"تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔" (مسند احمد: 82/4؛ صحیح ابن حبان: 3842؛ صحیح الجامع الصغیر: 4537)

اگرچہ اس حدیث کے منقطع ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ابن حبان میں اسے موصول بیان کیا ہے اور امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ احمد وغیرہ کے رجال ثقہ ہیں۔ (بلوغ الامانی للبنا: 13/95، 94)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

انہوں نے اس ضمن میں پانچ مختلف مذاہب ذکر کرنے کے بعد اس مذہب کو ترجیح دی ہے کہ

"أيام التشريق كلها أيام ذبح وهي يوم النحر وثلاثة أيام بعده."

"سارے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں اور وہ دن یہ ہیں: یوم النحر اور اس کے بعد تین دن۔"

(نیل الاوطار: 5/125)

سیدنا جبیر بن مطعم رحمۃ اللہ علیہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، حسن بصری، عمر بن عبد العزیز، سلیمان بن موسی الاسدی، مکحول، شافعی، اور داود ظاہری رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی قول منقول ہے۔ (نیل الاوطار: 3/490؛ بیہقی: 5/297، 296)

البتہ بعض فقہاء نے یوم النحر کے بعد مزید صرف 2 دنوں تک قربانی کی اجازت دی ہے ان کی دلیل سیدنا ابن عمر، سیدنا عمر اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم کا یہ اثر ہے:

"الأضحى يومان بعد يوم الأضحى."

"قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد 2 دن ہے۔"

(مؤطا امام مالک: 2/487؛ بیہقی: 9/297، شرح مسلم للنووی: 7/128)

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ پہلی سیدنا جبیر بن مطعم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایت محض ان کا اپنا قول ہی ہے اس لیے پہلی حدیث کو ترجیح دی جائے گی نیز جس روایت میں ایک دن کم کا ذکر ہے، اس میں زیادتی کی نفی بھی نہیں ہے۔

کس دن کی قربانی افضل ہے؟

اکثر علما کا یہ موقف ہے کہ پہلے دن کی قربانی افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں 10 سال رہے اور قربانی کرتے رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 100 اونٹ قربان کیے۔ ان سب قربانیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دن قربانی کرتے جیسا کہ اس حدیث سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ

عن البراء بن عازب قال قال النبي! إن أول ما نبدأ به في يومنا هذا نصلي ثم نرجع فننحر،من فعله فقد أصاب سنتنا

"سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج (عید الاضحیٰ کے دن) کی ابتدا ہم نماز (عید) سے کریں گے پھر واپس آکر قربانی کریں گے جو اس طرح کرے گا وہ ہماری سنت کے مطابق عمل کرے گا۔" (صحیح بخاری: 5545)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس دن نماز عید پڑھتے اسی دن قربانی کرتے اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ نماز عید پہلے دن ہی ادا کی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور حدیث سے بھی پہلے دن کی افضلیت معلوم ہوتی ہے

عن عبد الله بن قرط عن النبيﷺ! قال:إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر ثم يوم الغد

"سیدنا عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (یعنی عید الاضحیٰ کا پہلا دن) ہے پھر یوم الغد (یعنی دوسرا دن) ہے۔"

(سنن ابو داؤد: 1765)

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ آخری دنوں میں قربانی کرنے سے غرباء و مساکین کو زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے تو بعض علما نے اسے بھی پہلے دن کے برابر ہی قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

قربانی کے گوشت اور کھال کے مسائل

قربانی کا گوشت کیسے تقسیم کیا جائے؟

بعض علما نے کہا ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ خود کھایا جائے، دوسرا حصہ اپنے اقربا اور دوست احباب وغیرہ کو کھلا دیا جائے اور تیسرا حصہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ان حضرات کی دلیل سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ

"قربانیوں کا تیسرا حصہ تمہارے لیے ہے اور تیسرا حصہ تمہارے گھر والوں کے لیے ہے اور تیسرا حصہ مساکین کے لیے ہے۔" (المغنی لابن قدامہ: 13/379)

اگرچہ علما نے اس تقسیم کو افضل کہا ہے لیکن یہ تقسیم ضروری نہیں ہے بلکہ حسبِ ضرورت حالات کے مطابق بھی گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی اگر فقراء و مساکین زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت صدقہ کر دینا چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ اکثر و بیشتر لوگ خوشحال ہوں تو زیادہ گوشت خود بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح آئندہ ایام کے لیے ذخیرہ بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن میں مطلقاً قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّـهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّـهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ (سورۃ الحج: 36)

"قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔"

ایک اور آیت میں ہے کہ

"اپنے فائدے حاصل کرنے کے لیے آجائیں اور ان

چوپایوں پر جو پالتو ہیں، ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں۔ پس تم خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔"

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ حسبِ ضرورت قربانی کا گوشت کھایا اور کھلایا جاسکتا ہے، البتہ تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے خاص مصلحت کے تحت ابتداے اسلام میں منع فرما دیا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

"سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے اوپر نہ کھائے۔" (صحیح مسلم:5100، کتاب الاضاحی)

لیکن پھر اس کی اجازت دے دی تھی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے جو قربانی کرے تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس میں سے کوئی چیز باقی نہ ہو۔ پس اگلے سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس سال بھی ہم اسی طرح کریں جس طرح ہم نے گذشتہ سال کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ بے شک اُس سال لوگ مشقت میں تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ تم ان کی مدد کردو۔" (صحیح بخاری:5569، کتاب الاضاحی)

مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین یا دو حصے بنا کر تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ حالات کے مطابق کسی بھی طریقے سے گوشت کھایا اور کھلایا جاسکتا ہے اور ذخیرہ بھی کھا جاسکتا ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتوی

"تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت ذخیرہ کرنا جائز ہے۔" (المغنی:13/381)

کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے؟

غیر مسلم اگر مستحق ہو تو اسے بھی تالیفِ قلب کے طور پر قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتوی:

"اور یہ جائز ہے کہ کوئی قربانی کے گوشت سے کسی کافر کو کھلائے اور امام حسن رحمہ اللہ، امام ابو ثور رحمہ اللہ اور اصحاب الرائے بھی اسی کے قائل ہیں۔" (المغنی: 381/13)

سعودی مجلس افتا کا فتوی:

"قربانی میں مستحب یہ ہے کہ اس کے گوشت کے تین حصے بنائے جائیں: ایک تہائی قربانی کرنے والے کے لیے، ایک تہائی اس کے دوست احباب کے لیے، اور ایک تہائی مساکین کے لیے اور اس سے کافر کو دینا بھی جائز ہے اس کے فقر کی وجہ سے، یا اس کی قرابت داری کی وجہ سے، یا اس کی ہمسائیگی کی وجہ سے، یا اس کی تالیفِ قلب وجہ سے۔" (فتاویٰ اسلامیہ: 324/2)

قربانی کی کھالوں کا مصرف

قربانی کی کھالوں کا بھی وہی مصرف ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے یعنی جیسے قربانی کا گوشت خود بھی کھایا جا سکتا ہے، دوسروں کو بھی کھلایا جاسکتا ہے اور صدقہ بھی کیا جاسکتا ہے اسی طرح کھال کو خود بھی استعمال کیا جاسکتا ہے کسی دوسرے کو بھی استعمال کے لیے دی جاسکتی ہے اور صدقہ بھی کی جاسکتی ہے کیونکہ اس کے استعمال کا کوئی الگ طریقہ کتاب وسنت میں موجود نہیں، بلکہ کتبِ احادیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قربانی کے جانور کی کھال کا مشکیزہ بنا کر اسے گھر میں استعمال کر لیتے تھے۔ (صحیح مسلم:5103)

کیا قربانی کا گوشت یا کھال فروخت کی جاسکتی ہے؟

نہ تو قربانی کا گوشت فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی کھال فروخت کی جاسکتی ہے کیونکہ شریعت نے انہیں استعمال کرنے کا جو طریقہ بتلایا ہے فروخت کرنا اس میں شامل نہیں۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتوی:

"من جملہ قربانی کی کسی چیز کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں نہ تو اس کا گوشت اور نہ ہی اس کا چمڑا خواہ قربانی واجب ہو یا نفلی ہو کیونکہ وہ ذبح کے ساتھ متعین ہو چکی ہے۔" (المغنی:13/382)

امام احمد رحمہ اللہ کا فتوی:

"وہ اسے (یعنی قربانی کے جانور کو) فروخت نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی چیز (گوشت یا کھال وغیرہ) فروخت کر سکتا ہے اور (امام احمد رحمہ اللہ) مزید فرماتے ہیں کہ 'سبحان اللہ' وہ اسے کیسے فروخت کر سکتا ہے جبکہ وہ اسے اللہ تبارک وتعالی کے لیے مقرر کر چکا ہے۔" (ایضاً)

کیا قربانی کا گوشت یا کھال قصائی کو بطور اُجرت دی جاسکتی ہے؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں ان قربانی کے جانوروں کے جھول اور ان کے چمڑے صدقہ کر دوں جن کی قربانی میں نے کر دی تھی۔" (صحیح بخاری:1707)

اور صحیح مسلم میں ہے کہ

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کی قربانیوں کی نگرانی کروں اور میں ان قربانیوں کا گوشت اور ان کے چمڑے اور ان کی جھولیں صدقہ کر دوں اور ان سے (کچھ بھی) قصائی کو نہ دوں۔"

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

"ہم اسے (قصائی کو) اپنے پاس سے (معاوضہ) دیا کرتے تھے۔" (صحیح مسلم:3180، کتاب الحج)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کی ہر چیز حتیٰ کہ جھول تک بھی صدقہ کر دی جائے اور قصائی کو ان میں سے اُجرت میں کچھ نہ دیا جائے بلکہ اُجرت علیحدہ دینی چاہیے۔

دوسروں کی طرف سے قربانی

زندہ افراد کی طرف سے قربانی

اپنے علاوہ دیگر زندہ افراد کی طرف سے قربانی کرنا بالا تفاق جائز ومباح ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ "سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔" (صحیح بخاری:5548)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

"سیدہ عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانی کیسے ہوتی تھی تو انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا، وہ (اسے) کھاتے اور کھلاتے تھے۔" (جامع ترمذی:1505)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی زندہ افراد یعنی گھر والے یا دوست احباب وغیرہ کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو جائز ہے۔

میت کی طرف سے قربانی

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ قربانی تو زندہ افراد کی طرف سے کی جائے لیکن اس میں فوت شدگان کو بھی شریک کرلیا جائے، یہ جائز ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور ذبح کرتے وقت فرمایا:

"اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ! محمد، آلِ محمد اور اُمتِ محمد کی طرف سے (اسے) قبول فرما۔" (صحیح مسلم:5091)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے جانور قربان کرتے وقت فرمایا:

بسم الله والله أكبر عن محمد! وأمة من شهد الله بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ

"اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے، (یہ جانور) محمد کی طرف سے اور اس کی اُمت میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دی اور میرے لیے پیغام پہنچانے کی گواہی دی، کی طرف سے (قبول فرما)۔" (ارواء الغلیل:4/251)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ پوری اُمت کو بھی شریک کیا اور یقیناً اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے کئی افراد فوت ہو چکے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اپنی قربانی میں فوت شدگان کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے۔

شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

"قربانی زندہ اور مردہ کی طرف سے مشروع ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ایک بکری اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کرتے تھے، حالانکہ اُن میں بعض فوت ہو چکے تھے جیسے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور اس لیے بھی مشروع ہے کہ یہ صدقہ اور قربت ہے پس یہ بقیہ صدقات کے مشابہ ہو گئی اور یہ زندہ افراد کی طرف سے زیادہ موکّد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی وجہ سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس قول کی وجہ سے کہ

"جب ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بالوں اور اپنے ناخنوں سے کچھ نہ کاٹے۔" اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تخریج کیا ہے۔" (فتاویٰ اسلامیہ:2/321)

شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ:

"میت کے لیے قربانی کی دو قسمیں ہیں:

1۔ (پہلی) یہ کہ شرعی قربانی ہو اور وہ یہ ہے کہ جو عیدالاضحیٰ میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کی جاتی ہے اور اس کا ثواب میت کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس سے بھی افضل یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرے اور اس کے ساتھ زندہ اور فوت شدہ (افراد) کی بھی نیت کر لے تو تبعاً میت بھی اس میں شامل ہو جائے گی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے گھر کے فوت شدگان میں سے کسی کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیاں:

سیدہ زینب، سیدہ امّ کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہن فوت ہوئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے قربانی نہیں کی اور اسی طرح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہ جو آپ کو بیویوں میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، آپ نے ان کے لیے بھی قربانی نہیں کی، اور اسی طرح آپ کے چچا سیدہ حمزہ☆ جو جنگِ اُحد میں شہید کر دیے گئے، آپ نے ان کی طرف سے بھی قربانی نہیں کی۔ ہاں! لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں (مجموعی طور پر، زندہ یا فوت شدہ) کی طرف سے قربانی کی ہے۔"

2۔ غیر عیدالاضحیٰ میں میت کی طرف سے جانور ذبح کرنا جیسا کہ بعض جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں کہ میت کے لیے اس کی وفات کے ساتویں روز جانور ذبح کیا جاتا ہے یا اس کی وفات کے چالیسویں روز، یا اس کی وفات کے تیسرے روز، یہ بدعت ہے اور جائز نہیں کیونکہ یہ ایسے بے فائدہ کام میں مال کا ضیاع ہے جس میں نہ تو دینی فائدہ ہے اور نہ دنیاوی، بلکہ دینی نقصان میں (مال کا ضیاع ہے) اور تمام بدعتیں گمراہی ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر بدعت گمراہی ہے۔" (واللہ الموفق) (فتاویٰ منار الاسلام:2/411)

جہاں تک صرف میت کی طرف سے قربانی کرنے کا تعلق ہے تو بقول شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس سے اجتناب ہی بہتر ہے، جبکہ دیگر اہل علم مثلاً علامہ ابن تیمیہ، امام بغوی وغیرہ اس کے جواز کے بھی قائل ہیں۔ (فتاویٰ: 26/306؛ شرح السنہ: 4/258)

کیا مقروض شخص قربانی کر سکتا ہے؟

شریعت سے کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مقروض شخص قربانی نہیں کر سکتا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ قرض لینے کے بعد اسے جلد از جلد اتارنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر مقروض شخص قربانی کرے گا تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی بلکہ قربانی عبادت ہے اور نبی ﷺ کی سنت ہے اس لیے اگر مقروض شخص بھی قربانی جیسی عبادت کے ذریعے تقربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

جانور کو ذبح کرنے کے مسائل

☆ عید گاہ میں قربانی کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

كان رسول الله يذبح وينحر بالمصلى

"رسول اللہ ﷺ (قربانی) ذبح اور نحر عید گاہ میں کیا کرتے تھے۔" (صحیح بخاری:5552)

☆ جانور قبلہ رخ لٹانا چاہیے جیسا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا نبی ﷺ نے قربانی کے دن سینگ والے دو چتکبرے، خصی مینڈھے ذبح کیے پس جب آپ ﷺ نے انہیں قبلہ رخ کیا۔ (سنن ابو داؤد:2795)

☆ جانور ذبح کرتے وقت اس کے پہلو پر پاؤں رکھنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ضحى النبي ﷺ بكبشين أملحين فرأيته واضعا قدمه على صفاحهما

"نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے پاؤں ان جانوروں کے پہلوؤں پر رکھے ہوئے ہیں۔" (صحیح بخاری:5558)

☆ قربانی کے لئے چھری خوب تیز کرنا چاہئے:

1۔ سیدنا شداد بن اوس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور تم میں سے ایک اپنی چھری تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔" (سنن ابو داؤد:2814)

☆ چھری چلانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے مختلف دعائیں ثابت ہیں:

1۔ بروایتِ سیدنا انس رضی اللہ عنہ: بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَكْبَرْ: (صحیح بخاری:5565)

2۔ بروایت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ (بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَكْبَرْ هَذَاعَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحّ مِنْ أُمَّتِي) (سنن ابو داؤد:2810)

3۔ بروایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ) (صحیح مسلم:1967)

4۔ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَكْبَرْ

(سنن ابو داؤد:2795)

حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور قربان کرنے سے پہلے چھری کو خوب اچھی طرح تیز کر لینا چاہیے تاکہ جانور آسانی سے ذبح ہو جائے اور اسے زیادہ تکلیف نہ ہو کیونکہ گذشتہ روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھ دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو (اس میں بھی) احسان کرو۔"

2۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔" (سنن ابو داؤد:2815)

3۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگ والا ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ 'پاؤں' پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں تو وہ قربانی کے لیے لایا گیا۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: چھری لاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے پتھر کے ساتھ تیز کرو تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ نے چھری کو پکڑا اور مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا۔ پھر کہا: "اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! محمد، آلِ محمد اور اُمت محمد کی طرف سے قبول فرما۔" پھر آپ ﷺ نے اسے ذبح کر دیا۔" (صحیح مسلم:5091)

اونٹ نحر کرنے کا طریقہ

اونٹ کو ذبح نہیں بلکہ نحر کرنا چاہیے اور نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا اگلا بایاں گھٹنا باندھ کر اسے تین ٹانگوں پر کھڑا کر دینا چاہیے اور کوئی تیز دھار چیز مثلاً چھری 'چاقو' نیزہ یا برچھی وغیرہ اس کی گردن میں مارنی چاہیے، آہستہ آہستہ خون بہہ جائے گا اور اونٹ ایک طرف گر جائے گا پھر اس کی کھال وغیرہ اتار کر گوشت بنا لینا چاہیے، اونٹ کو نحر کرنے کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

1۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "قربانی کے اونٹ ہم نے

تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں، ان میں تمہیں نفع ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔ پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو اس سے کھاؤ۔"(سورۃ الحج:36)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما 'صواف' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"اس کا معنی قیاما معقولۃ یعنی ایک ٹانگ باندھ کر کھڑا کرنا ہے۔"(تفسیر فتح القدیر:3/558)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ آیت ﴿فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وجوب (سے مراد) ساقط ہونا ہے یعنی جب نحر ہونے کے بعد اونٹ گر جائے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی روح نکل جاتی ہے۔(تفسیر فتح القدیر:13/556)

2۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جس نے اونٹ کو ذبح کرنے کی غرض سے بٹھا رکھا تھا تو انہوں نے کہا:

"اس کا گھٹنا باندھ کر اسے کھڑا کرو، یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔"(صحیح بخاری، کتاب الحج:1713)

3۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر اسے نحر کرتے تھے اور وہ اپنی باقی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا تھا۔(سنن ابوداؤد:1767)

4۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے 63 اونٹ نحر کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں کی گردنوں میں اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹا نیزہ مارتے تھے۔"(صحیح مسلم:1218)

زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت حرام ہے

جانور کو ذبح یا نحر کرنے کے بعد جب تک اچھی طرح اس کا خون بہہ کر روح نہ نکل جائے اس کا گوشت بنانا شروع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر زندہ جانور سے ہی گوشت کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سیدنا ابو واقد لیثی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"زندہ جانور سے جو کچھ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے۔"(سنن ابو داؤد:2858)

ہر خون بہا دینے والی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے...

سوائے دانت اور ناخن کے، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کا واضح ثبوت ہے:

1۔ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ

"جو چیز خون کو بہا دے اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو اس جانور کو کھالو۔ ذبح کرنے کا آلہ دانت اور ناخن نہیں کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔"(صحیح بخاری:5498)

یہ حدیث مطلق دانت اور ناخن سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے (یعنی) دانت اور ناخن خواہ انسان کا ہو یا کسی اور جانور کا'الگ اور جدا ہو یا جسم کے ساتھ لگا ہو، خواہ لوہے سے بنایا ہو(ہر صورت میں ان دونوں سے ذبح کرنا ممنوع ہے)۔(سبل السلام:4/1852)

2۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پتھر سے ایک بکری کو ذبح کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے کا حکم فرمایا۔" (صحیح بخاری:5504)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری کے علاوہ اور چیزوں سے بھی جانور ذبح کرنا درست ہے بشرطیکہ اس سے خون بہہ جائے جیسا کہ اس عورت نے ایک نوکدار پتھر سے ذبح کیا تھا اور اس سے خون بہہ گیا تھا۔

جانور خود ذبح کرنا چاہیے!

جیسا کہ اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

1۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ (63) اونٹ نحر کیے۔ آپ اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹا نیزہ اونٹوں کی گردنوں میں مارتے تھے۔" (صحیح مسلم: 1218)

2۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینہ میں دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔"(سنن ابو داؤد:2793)

3۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔"(صحیح بخاری:5554)

4۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں جانور کے اوپر رکھے ہوئے ہیں اور بسم اللہ و اللہ أکبر پڑھ رہے ہیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔" (صحیح بخاری :5558)

درج بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ انسان کو اپنی قربانی خود ذبح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی قربانی خود ذبح کیا کرتے تھے۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اور اگر وہ شخص قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے تو یہ افضل ہے۔"(المغنی لابن قدامہ:13/389)

سید سابق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"جو شخص عمدہ طریقے سے جانور ذبح کر سکتا ہو اس کے لیے مسنون ہے کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ کے

ساتھ ذبح کرے۔" (فقہ السنہ: 3/198)

کیا قصائی سے ذبح کرانا درست ہے؟

بہتر تو یہ ہے کہ جانور خود ذبح کیا جائے جیسا کہ نبی ﷺ اپنا جانور خود ہی ذبح کرتے تھے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کر سکتا ہو تو قصائی سے ذبح کرانا بھی درست ہے۔ کیونکہ کسی صحیح حدیث میں اس کی ممانعت موجود نہیں۔

کیا عورت ذبح کر سکتی ہے؟

اگر عورت کو جانور ذبح کرنے کا طریقہ آتا ہو تو اس کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

1۔ امام بخاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ

"سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ہی ذبح کریں۔" (صحیح بخاری قبل الحدیث: 5559)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورتیں اگر اچھی طرح ذبح کر سکتی ہوں تو وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کر سکتی ہیں۔" (عمدۃ القاری: 21/155)

2۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک لونڈی سَلع پہاڑی پر بکریاں چرایا کرتی تھی۔ (چراتے وقت ایک مرتبہ) اس نے دیکھا کہ ایک بکری مرنے والی ہے چنانچہ اس نے ایک پتھر توڑ کر اس سے بکری ذبح کر دی تو سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ اسے اس وقت تک نہ کھانا جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے اس کا حکم نہ پوچھ آؤں یا (انہوں نے کہا کہ) میں کسی کو بھیجوں جو نبی کریم ﷺ سے مسئلہ پوچھ آئے۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یا کسی کو بھیجا اور نبی کریم ﷺ نے اس کے کھانے کی اجازت بخشی۔" (صحیح بخاری: 5501)

شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ کا فتویٰ:

کسی نے دریافت کیا کہ جب قربانی کا وقت ہو جائے اور گھر پر کوئی آدمی موجود نہ ہو تو اس صورت میں کیا عورت قربانی کا جانور ذبح کر سکتی ہے؟ تو شیخ نے جواب میں کہا کہ

"ہاں اگر جانور ذبح کرنے کی دیگر شرائط پوری ہو رہی ہوں تو بوقتِ ضرورت عورت قربانی وغیرہ کا جانور ذبح کر سکتی ہے۔ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اُس زندہ یا فوت شدہ آدمی کا نام لینا مسنون ہے جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہو۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو سکے تو نیت کر لینا ہی کافی ہے اگر ذبح کرنے والا غلطی سے اصل شخص کی بجائے کسی اور کا نام لے لے تو بھی کوئی نقصان نہ ہوگا، اس لیے کہ اللہ ربّ العزت نیتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ (واللہ الموفق)

(فتاویٰ اسلامیہ: 2/318)

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ بامر مجبوری عورت ذبح کر سکتی ہے، کیا عام حالات میں بھی اس کی اجازت ہے، صریح دلیل کوئی نہیں پیش کی۔

مکمل اہل وعیال کی طرف سے ایک بکری بھی کفایت کر جاتی ہے اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

"عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانی کیسے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا، وہ (اسے) کھاتے تھے اور کھلاتے تھے۔" (جامع ترمذی: 1505)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

"سیدنا ابو سریحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے گھر والوں نے ہم کو خلافِ سنت کام پر مجبور کیا اُس کے بعد کہ جب ہم سنت پر عمل کرتے تھے تو ایک گھر والے بکری یا دو بکریوں کی قربانی کرتے اور اب اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل کہتے ہیں۔" (سنن ابن ماجہ: 3148)

درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک بکری مکمل اہل وعیال کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام اسحٰق رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے... اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ بکری صرف ایک نفس کی طرف سے ہی کفایت کرتی ہے اور یہ قول عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ (بعض دیگر) اہل علم کا ہے۔"

بہر حال راجح موقف امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا ہی ہے کیونکہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی گذشتہ صحیح حدیث اسی کو ثابت کرتی ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"حق بات یہ ہے کہ ایک بکری (مکمل) گھر والوں کی طرف سے کفایت کی جاتی ہے، اگرچہ وہ سو یا اس سے بھی زیادہ نفس ہوں جیسا کہ سنت نے یہی فیصلہ کر دیا ہے۔" (نیل الاوطار: 5/137؛ السیل الجرار: 3/233)

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"آپ ﷺ کی سنت سے یہ بھی ہے کہ ایک بکری آدمی کی طرف سے اور اس کے گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔" (کمافی تحفۃ الاحوذی: 5/73)

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتویٰ:

"اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کر دے۔" (المغنی: 13/365)

اونٹ اور گائے کے حصے

اونٹ کی قربانی میں دس افراد جبکہ گائے کی قربانی میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ہم

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے تو قربانی کا وقت ہوگیا۔ ہم اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے اور گائے میں سات۔" (سنن ابن ماجہ: 3131)

ایک اور حدیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم نبی ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ مقام پر تھے۔ ہمارے ہاتھ بکریاں اور اونٹ لگے۔ لوگوں نے جلدی جلدی اُنہیں ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا کر اُبالنی شروع کر دیں۔ نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ہانڈیاں اُلٹ دینے کا حکم اور (ثم عدل عشرة من الغنم بجزور)

"پھر آپ ﷺ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔" (صحیح بخاری: 2507)

اور جن روایات میں ہے کہ اونٹ میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں مثلاً سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "گائے سات آدمیوں کی طرف سے قربان کی جاسکتی ہے اور اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے۔" (سنن ابو داؤد: 2808)

تو ایسی تمام روایات کے متعلق بعض علما کہتے ہیں کہ یہ حج کے متعلق ہیں یعنی دورانِ حج قربانی کرنے والے ایک اونٹ میں صرف سات افراد ہی شریک ہوں گے۔ اور بعض علما کا خیال ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے یعنی اونٹ میں 10 آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں اور سات بھی۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ازیں اگر استطاعت ہو تو اکیلا آدمی بھی اونٹ یا گائے کی قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "بے شک رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر آلِ محمد کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔" (سنن ابن ماجہ: 3135)

کیا مختلف لوگ مل کر ایک بکری قربان کر سکتے ہیں؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت میں اتنا تو ثابت ہے کہ ایک بکری مکمل گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے لیکن یہ بالکل ثابت نہیں کہ ایک بکری زیادہ گھرانوں یا مختلف افراد کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔

ایک قربانی ایک سے زیادہ افراد کی طرف سے ہو جاتی ہے، کفایت کر جانے کا مقصد کیا ہوا، کیا یہ فرض ہے جو ان کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے، ثواب میں شرکت اور شے ہے، اور کفایت کرنا اور...؟

قربانی کرنا افضل ہے یا قربانی کی قیمت صدقہ کر دینا؟

قربانی کی قیمت صدقہ کر دینے سے قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ قربانی ایسی عبادت ہے جسے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ عظام نے اپنایا ہے اگر قربانی کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کرنا شروع کر دیا جائے تو یہ عبادت ختم ہوتی چلی جائے گی۔ علاوہ ازیں اگر صدقہ کرنا افضل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس کی وضاحت فرما دیتے حالانکہ آپ ﷺ سے نہ تو یہ ثابت ہے کہ قیمت صدقہ کر دینا قربانی سے افضل ہے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا قربانی کے برابر ہے۔

امام ابن قدامہ کا فتویٰ:

"قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص بیان کی ہے، امام ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو الزناد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔" (المغنی: 13/361)

شیخ ابن باز کا فتویٰ:

"اور قربانی کا جانور ذبح کرنا اس کی قیمت صدقہ کر دینے سے افضل ہے کیونکہ اس میں سنت کا احیا اور اس کا اظہار ہے اور نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتدا ہے۔" (فتاویٰ اسلامیہ: 2/321)

مساکین و مہاجرین تک رقم ادا کر کے گوشت پہنچانے کا مسئلہ ایک علاحدہ صورت ہے جس کی وضاحت بھی یہاں ضروری ہے۔ لیکن اس سے امرا کے لئے سہولت کا ایک پہلو بھی نکلتا ہے۔

☆☆☆

سماجی رہنما راجہ شبیر احمد جنجوعہ کا انتقال

جامع مسجد کوئینس کراس ڈڈلی کے سابق سیکرٹری اور کیمونٹی کے سماجی اور رفاہی قائد حاجی راجہ محمد شبیر جنجوعہ بھی داغ مفارقت دے چکے، ہر شخص کی زبان پر ان کی تعریف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کیمونٹی کی خدمت کا طویل عرصہ فراہم کیا، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے نماز جنازہ پڑھائی، مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، علماء اور سکالرز کی شرکت اور ان کے خطابات راجہ کرم داد مرحوم کے فرزند راجہ محمد شبیر جنجوعہ کشمیر جیولرز مختصر علالت کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے اور متعلقین و احباب کو داغ مفارت دے چکے، تقریباً 40 سال تک وہ جامع مسجد کوئینس کراس اور ڈڈلی کی کیمونٹی کی خدمت کرتے رہے۔

ڈاکٹر عبد المجید لوٹن، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا حبیب اللہ اثری اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے اپنے خطاب میں ان کی ہمدردی اور دوسروں کی مدد کرنا اور ان کے اچھے اخلاق کی تعریف کی اور کہا کہ یہ اس حدیث کے مصداق ہیں، جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کے لیے فائدہ مند ہو۔"

واقعی راجہ شبیر دوسروں کی خدمت میں پیش پیش ہوتے تھے، اللہ نے انہیں 70 سال کی عمر عطا فرمائی تھی، مگر ہر ایک زبان پر مرحوم کے لیے کلمہ خیر تھا، بقول شاعر زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ اللہ نے انہیں 2 بیٹے اور 2 بیٹیوں سے نوازا تھا۔

ثاقب شبیر اور نبیل شبیر، تبریز طارق، ڈاکٹر راجہ منیر اور عبد النقیب ان کے علاوہ حاجی حبیب الرحمٰن بھنوئی (ہالینڈ) کونسلر ظفر الاسلام، کونسلر محمد شوکت، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، راجہ انیس، حافظ ضوباش، سابق کونسلر لوٹن ریاض بٹ، مولانا محمد ابراہیم میرپوری (امیر جمعیت)، حافظ حبیب الرحمٰن جہلمی (ناظم اعلیٰ) مولانا عبد الہادی العمری اور بہت سے علماء نے مرحوم کے بچوں سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور متعلقین و احباب کو صبر جمیل بخشے۔ آمین یارب العالمین



نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ، قیامت کی کچھ علامات بڑی واضح ہیں۔ اُنہیں دیکھ کر قربِ قیامت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اُمت اپنے اپنے حساب، ماحول اور علم کے مطابق اُنہیں جان لیتی ہے۔ قدیم اور دورِ حاضر کے اربابِ علم نے علاماتِ قیامت کی مختلف اقسام بنا کر ان کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ علامات خاص خاص مواقع کے لیے اور بڑی محدود ہیں، جبکہ علامات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کچھ تو الفاظ کی صورت میں ہیں اور کچھ اشارات کی صورت میں۔ کچھ عبارتوں سے سمجھ میں آ جاتی ہیں اور کچھ ضمنی طور پر۔ اور ایک ایک علامات اپنے ضمن میں بہت سی علامات لیے ہوئے ہے۔ اگر لفظاً بیان کردہ علامات کو دیکھا جائے تو وہ اہلِ تحقیق کی نزدیک اس طرح ہے۔ اگر ان علامات قیامت میں سے ایک ایک پر غور کیا جائے تو ان کے ضمن میں پائی جانے والی علامات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان ویقین کی کمی، مادہ پرستی، دنیا سے محبت، تہذیب وثقافت، قیام وطعام اور رہن سہن الغرض ایک ایک چیز بیان کر دی گئی ہے۔

ذیل میں ایسی ہی چند ضمنی علامات بیان کی جاتی ہیں جن سے قیامت کا یقین بھی پختہ ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کی صداقت بھی عیاں ہو گی اور پیش بندی کی راہیں بھی ہموار ہوں گی۔

اوّل: زنا کا عام ہونا

زنا کے عام ہونے کے متعلق متعدد حدیثیں وارد ہیں: «وَيَظْهَرَ الزِّنَا». ”اور زنا عام ہو گا۔“
(صحیح البخاري، کتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل: 80)

یہ ایک علامتِ قیامت ہے۔ اب دیکھیے کہ زنا ایک دم سے آتے جاتے نہیں ہو جاتا۔ اس کے لیے بہت لمبی چوڑی شیطانی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ ساری منصوبہ بندی اور وسائل بھی در اصل زنا کے عام ہونے کی پیش گوئی میں ضمنی طور پر شامل ہیں۔

1۔ جہاں تک اسبابِ زنا کا تعلق ہے تو وہ ’نظر‘ سے شروع ہوتے ہیں۔ براہِ راست دیکھنے کی سہولت بھی جانبین کو میسر ہے جس کی راہ میں شرم وندامت کی ہلکی سی اوٹ بھی نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر اپنی خوبصورت تصاویر مختلف انداز میں بنا کر لگانا اور ان میں مرضی کی رنگ آمیزی کرنا اور ہر ایک کو دیکھنے کی سہولت میسر ہونا۔ اسی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اور تشہیری مہم جوئی میں عورت کی تصویر اور ہر ایک کا نامناسب انداز بلا روک ٹوک استعمال ہے۔ جن کے پاس وسائل ہیں، وہ ان ماڈلز تک بھی پہنچ پاتے ہوں گے اور جن کی پہنچ ان ’ستاروں‘ تک نہیں، وہ ان جیسوں کی تلاش میں لگ جاتے ہوں گے۔ اس سے قبل یہ صورتِ حال نہ تھی۔ دیکھنے کی اس سہولت نے زنا کی راہ ہموار کی۔ گو حدیث ہمیں بتا رہی ہے کہ قیامت کے قریب یہ دیکھنے کی سہولت عام ہو گی۔ کیمرے کی ایجاد، فوٹو شاپ پروگرام، ہر موبائل میں کیمرہ، یہ سب ضمنی پیش گوئیاں ہیں۔ اور اگر کوئی پیش بندی کے طور پر زنا سے بچنا چاہتا ہے تو دیکھنے کے جملہ ذرائع سے بچ کر رہے۔ فیس بک یا دیگر ذرائع ابلاغ پر نمودار ہونا تو کوئی ضروری نہیں لیکن اپنی عزت کا دفاع انتہائی لازمی امر ہے۔ مگر خود نمائی کے اس دور میں اور تصویر کے عام ہونے نے بڑے بڑے پاکیزہ گھرانوں سے پابندیاں اُٹھا دی ہیں۔

2۔ زنا کا دوسرا سبب ’رابطہ‘ ہے۔ پہلے جانبین کا رابطہ انتہائی مشکل اور کٹھن تھا۔ جوں جوں قیامت قریب آتی جا رہی ہے، توں توں باہمی روابط بھی آسان تر اور سستے ترین ہوتے جا رہے ہیں۔ موبائل کمپنیوں نے سستے ترین پیکیج دے کر گناہ میں سہولت در سہولت پیدا کر دی ہے۔ جب ٹیلی فون کی سہولت میسر آئی تب بھی گھروں سے ’نکل جانے‘ کے واقعات میں اضافہ ہوا اور زنا پھیلا۔ لیکن جانبین کو خطرات رہتے تھے کہ مطلوبہ ’شکار‘ کے علاوہ فون کوئی اور نہ اُٹھا لے مگر موبائل نے یہ سہولت بھی فراہم کر دی۔ اب بلا خوف وخطر رابطے ہوتے ہیں۔

جہاں تک اسبابِ زنا کا تعلق ہے تو وہ ’نظر‘ سے شروع ہوتے ہیں۔ براہِ راست دیکھنے کی سہولت بھی جانبین کو میسر ہے جس کی راہ میں شرم وندامت کی ہلکی سی اوٹ بھی نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر اپنی خوبصورت تصاویر مختلف انداز میں بنا کر لگانا اور ان میں مرضی کی رنگ آمیزی کرنا اور ہر ایک کو دیکھنے کی سہولت میسر ہونا۔ اسی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اور تشہیری مہم جوئی میں عورت کی تصویر اور ہر ایک کا نامناسب انداز بلا روک ٹوک استعمال ہے۔ جن کے پاس وسائل ہیں، وہ ان ماڈلز تک بھی پہنچ پاتے ہوں گے اور جن کی پہنچ ان ’ستاروں‘ تک نہیں، وہ ان جیسوں کی تلاش میں لگ جاتے ہوں گے۔ اس سے قبل یہ صورتِ حال نہ تھی۔ دیکھنے کی اس سہولت نے زنا کی راہ ہموار کی۔

3۔زنا کا تیسرا سبب جانبین کی تنہائی ہے۔ رابطے کی سہولت سے تنہائی بھی آسان ہو گئی۔ اور تنہائی کے لیے کالج، یونیورسٹی، دفاتر اور آنے جانے کے دوران مواقع بھی میسر آ گئے۔ زنا سے متعلق پیش گوئی میں ضمناً یہ بتادیا گیا ہے کہ قیامت کے قریب غیر محرموں سے تنہائیاں میسر آئیں گی۔ جو باشعور اُمّتی ہیں اور سینوں میں اللّٰہ کا خوف اور خشیت رکھتے ہیں وہ تو تنہائیوں سے بچتے ہیں۔ اس کے باوجود بہت سے مواقع میسر آجاتے ہیں۔ مخلوط نظامِ تعلیم میں اور سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں خواتین کا لازمی کوٹہ بھی بہت سے مواقع رکھتا ہے جس سے شاطر اور شیطانی ذہن فوراً راستہ بنالیتا ہے۔ زنا عام ہونے کی پیش گوئی کا مطلب یہی ہے کہ امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کسی مرد یا عورت کو تنہائی کے لمحات میسر آ رہے ہیں تو وہ ان سے خود بچے۔ اس بارے میں علیحدہ سے احادیث موجود ہیں:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ» (صحیح البخاري:3006)

”کوئی غیر مرد کسی غیر محرم عورت سے ہر گز تنہائی اختیار نہ کرے۔“

اسی طرح فرمایا:

«وَلَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ» (جامع ترمذی:1172)

”جن کے خاوند موجود نہ ہوں، ان کے پاس نہ جاؤ۔“

اگر کسی انجانے میں دیکھنے اور رابطے کے مراحل طے ہو چکے ہیں تو اب بھی زنا ممکن نہیں۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب تنہائی میسر ہو گی۔

4۔زنا کو عام کرنے کے لیے تزئین وآرائش بھی ایک سبب ہے۔ بناوٹی خوبصورتی کے لیے بہت سے وسائل سستے داموں میسر ہیں۔ زنا کے عام ہو جانے والی حدیث میں ان کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔ کسی عام سے چہرے کو کسی بھی تہوار پر بیوٹی پارلر کا چکر لگوایا جائے تو وہ پرکشش اور جاذب بن جاتا ہے۔ نت نئے فیشن اور خوبصورتی پر صرف ہونے والا سرمایہ شاید ہماری بنیادی خوراک کا نصف تو ضرور ہو گا۔ جس نے دوسروں کے لیے فیشن کرنا ہے، اس نے اپنے آپ کو نمایاں بھی کرنا ہے۔ اس لیے اس کا لباس بھی ادھورا یا کم تر ہو گا۔ پردے سے یا تو بچا جائے گا یا پھر پردہ اس انداز سے کیا جائے گا جو پرکشش ہو اور حقیقت میں 'نام کا ہی پردہ'۔

5۔اور پھر کاسمٹکس میں خوشبو کا استعمال اور مستقل طور پر خوشبو کا استعمال... جو شریعتِ اسلامیہ میں عورت کے لیے ممنوع ہے... عام ہے۔ نسوانی پرفیومز اور عطر کی ایک بہت بڑی رینج مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

6۔اسی طرح زنا کے اسباب میں گھر کے سربراہان کا اپنے گھر کی رعایا سے بے خبری بھی ہے۔ لڑکیوں کے بارے میں تو کسی حد تک دیکھ بھال کی جاتی ہے مگر لڑکے کلی آزاد ہیں۔ لوگوں کا یہ شوق تو بہت زیادہ ہے کہ وہ جان لیں کہ دنیا کہاں پہنچ چکی ہے مگر ان کو اپنے جگر گوشوں کی پرواتک نہیں۔ انہیں یہ تو پتہ ہے کہ جیسے تیسے بھی ان کے جائز اور ناجائز اخراجات پورے کرنے ہیں، مگر ان کی تربیت کا کوئی اہتمام نہیں۔ احتساب نہیں، اپنے گھر والوں کے بارے میں چوکنا اور ہوشیار رہنے کا کوئی جذبہ نہیں، حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا جنت میں ہونے والا مکالمہ بیان کیا ہے کہ وہ جنت میں اپنی مسندوں پر جلوہ افروز ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے:

﴿ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴾

”بے شک ہم اس سے قبل (دنیا میں) اپنے گھر والوں کے بارے میں چوکنے رہتے تھے۔“ (سورۃ الطور:26)

7۔اسی طرح زنا کا ایک بڑا سبب خاوندوں کا معاش کے سلسلے میں اپنے گھر سے مہینوں بلکہ سالوں تک کے لیے دور رہنا ہے۔ اور 'مشترکہ خاندانی نظام' میں پردے کا خیال نہ رکھنا اور تنہائیوں سے نہ بچنا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بیرون ممالک میں ناجائز کام کر رہے ہوتے ہیں اور اندرون ملک میں ان کی نوجوان بیویاں ان کا بدلہ چکا رہی ہوتی ہیں۔ فطرتی جذبات کو آخر کب تک دبایا جا سکتا ہے؟ اسی طرح گھریلو ناچاقیاں، بیگمات کا اپنے خاوندوں کی جائز خواہش کا خیال نہ رکھنا اور شرعی اجازت کے باوجود خاوندوں کی زیادہ شادیوں میں رکاوٹ بننا اور حکومت کا ایک سے زائد شادیوں کے لیے کڑی شرائط لگانا کہ ایسا ممکن ہی نہ رہے، یہ بھی زناکاری کا ایک خاموش سبب ہے۔

8۔زنا کے عام ہونے کے اسباب یہ بھی ہے کہ بدکاری کے اڈے عام مل جاتے ہیں، جیسے ہوٹل وغیرہ۔ پہلے یہ ضرورت کے تحت تھے جو اب فحاشی کے اڈے بنتے جا رہے ہیں۔ یہ سستے سے سستے اور مہنگے سے مہنگے کرائے پر دستیاب ہیں۔ سیر گاہوں پر، ساحلوں پر اور شہر میں ہر جگہ یہ سہولت میسر ہے۔

9۔زنا کے عام ہونے کے اسباب میں سے خاص طبی اور جنسی ایجادات بھی ہیں۔ جن میں سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ بدکار خاتون کو اپنے شکم میں بدکار مرد کے چھپائے ہوئے نطفہ حرام کو پرکھنے اور ساقط کرانے کی سہولت بہ آسانی میسر ہے، حالانکہ ان سب امور کے لیے کچھ شرائط وضوابط ہونی چاہئیں۔ پہلے کی عورت کو خواہ وہ کس قدر بھی بدکار ہو، اسے یہ خدشہ تو تھا کہ اس کے رحم میں کچھ سما گیا تو وہ کیا کرے گی کیسے چھپائے گی؟ مگر آج ایسی کوئی مشکل نہیں!!

10۔زنا کو قانون کی چھتری بھی میسر ہے۔ لڑکا اور لڑکی گھر سے بھاگے، راتیں بسر کیں اور کچھ دن بعد عدالتی نکاح کر کے معاشرے میں با'عزت' رہنے لگے۔ اگر ایسے ناجائز جوڑے کو یہ یقین ہو کہ اُنہیں

تحفظ کے بجائے سزا دے کر ان کے گھروں میں واپس لوٹایا جائے گا تو بھلا کس میں جرات ہو گی!! گویا یہ عدالتی 'ریلیف' بھی زنا کا سبب ہے۔

الغرض! نبی اکرم ﷺ نے زنا عام ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور یہ ایک پیش گوئی اپنے ضمن میں بیسیوں پیش گوئیوں کو لیے ہوئے ہے۔ یہی اعجاز نبوت ہے۔ ہماری معاشرتی بے راہ روی اور سماجی ابتری کی ایک ایک شق اور مرحلہ واضح کر دیا گیا ہے۔ اب جو شخص کسی بھی مرحلے میں 'زنا' کا سبب بن رہا ہے، اسے اپنے انجام کو جان لینا چاہیے۔

دوم: موٹاپا

رسول اللہ ﷺ نے علاماتِ قیامت میں موٹاپے کا تذکرہ بھی کیا، حدیث نبوی ﷺ ہے:

«وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ»

"اور موٹاپا عام ہو گا۔" (صحیح مسلم:2651)

یہ تو ایک پیش گوئی ہے جسے ہم اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ اب اس پیش گوئی کے ضمن میں ہم جائزہ لیتے ہیں کہ موٹاپے کے اسباب کیا ہیں۔

ماہرین نے موٹاپے کے مندرجہ ذیل اسباب بتائے ہیں:

1۔ ورزش اور جسمانی سرگرمیوں سے پہلو تہی۔ جوں جوں قیامت قریب آتی جا رہی ہے نوجوانوں کی کھیلیں بھی محدود ہوتی جا رہی ہیں۔ کھیل کے وسیع اور کھلے میدان بھی بہت کم ہیں۔ اگر ہیں بھی تو نوجوان موبائل میں موجود کھیلوں ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہر کھیل کی موبائل ایپ بنا دی گئی ہے۔ اکثر لوگ انہی پر اپنے شوق پورے کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحت پر مضر اثرات ڈالتی ہے۔ ایک سروے کے مطابق ویڈیو گیمز کو دیکھنے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ پہلے نوجوان نسل جسمانی کھیلوں میں مصروف رہتی تھی اور اب موبائل اور نیٹ پر۔

2۔ موٹاپے کا ایک سبب فاسٹ فوڈز اور چکناہٹ ہے۔ شہروں سے لے کر دیہات تک، بازاروں سے لے کر محلوں تک، ہر جگہ برگرز، پیزے اور کولڈ ڈرنکس موجود ہیں اور ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔ خصوصاً بچے اور جوان انہیں بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اس میں اس قدر ورائٹی ہے کہ یہ بہت مرغوب ہیں۔ ان سے موٹاپا بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں بڑی ذائقے دار اشیا تیار کرتی ہیں، ہوم ڈیلیوری کی سہولت بھی میسر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہوٹلوں کی بہتات اور کھانے پینے کا شوقِ فراواں بھی موٹاپے کا سبب ہے۔

3۔ موٹاپے کا سبب شوگر بھی ہے اور شوگر کا باعث 'ذہنی دباؤ' ہے۔ گویا حدیث میں بتا دیا گیا کہ قیامت کے قریب ذہنی تناؤ بڑھے گا۔ ذہنی تناؤ خود ساختہ ہے۔ دنیا میں آگے بڑھنے کی دوڑ، مقابلہ آرائی اور مادہ پرستی نے سکون کی جگہ افراتفری، ذہنی دباؤ اور اُلجھنیں تحفے میں دی ہیں۔

4۔ موٹاپے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سا کام کمپیوٹر اور مشینوں سے لیا جاتا ہے۔ تعمیراتی میدان میں بھی، صنعت گری میں بھی حتی کہ کاریگری اور دست کاری میں بھی ہاتھوں کی جگہ مشینیں آ گئیں۔ اور آپریٹر محض بٹن دبانے کا کام کرتے ہیں۔

5۔ رہتی کسر موٹر سائیکل اور جدید سواریوں نے نکال دی۔ معمولی سے اور قریبی کام کے لیے بھی لوگ پیدل چلنے کے بجائے موٹر بائیک استعمال کرتے ہیں۔ جن علاقوں اور دیہاتوں وغیرہ میں پیدل چلنے کا ذوق یا شغل باقی ہے، ان علاقوں میں اب بھی موٹاپا کم ہے۔

الغرض موٹاپے کے متعلق آپ ﷺ کی پیش گوئی کے ضمن میں اس سے متعلقہ بہت سی علامات سمجھ آتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے سے پیش گوئی اس لیے فرما دی تھی کہ اُمت اپنے رہن سہن، خوراک اور طرزِ زندگی میں توازن برقرار رکھے۔ مگر اور تو اور، خود اہل علم کی اکثریت بھی اس کا شکار ہے۔

سوم: علم کا اُٹھ جانا اور جہالت کا عام ہونا

علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ علم اُٹھا لیا جائے گا۔ حدیث مبارکہ ہے:

«أَنْ يُرْفَعَ العِلْمُ وَيَثْبُتَ الجَهْلُ» (صحیح بخاری:80)

"علم اُٹھا لیا جائے گا اور جہالت باقی رہ جائے گی۔"

علمائے کرام کا تیزی سے اُٹھ جانا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جیسا کہ پچھلے دنوں امام القراء قاری محمد یحییٰ رسولنگری، جامعہ سلفیہ کے نائب شیخ الحدیث مولانا محمد یونس بٹ، شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ، گوجرانوالہ: مولانا عبدالحمید ہزاروی، شیخ الحدیث دار الحدیث، اوکاڑہ: مولانا عبدالرشید ہزاروی، پروفیسر حافظ ثناء اللہ خان، پروفیسر عبد الرحمٰن لدھیانوی معروف مفسر قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا عبدالحلیم شرر بن مولانا محمد علی جانباز... اللہ ان اکابرین سے راضی ہو جائے اور بخشش وبلندی درجات عطا فرمائے۔ آمین!

علم اُٹھ جانے پیش گوئی کے برعکس ہمیں دینی وعصری علوم کی طرف زیادہ رجحان نظر آتا ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں علم دین اُٹھ جانے کی بات ہے۔ کیونکہ اسی باب کی احادیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«حَتَّى إِذَا لَمْ يبق عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ...»

"یہاں تک کہ جب ایک بھی عالم باقی نہیں بچے گا تو لوگ اپنے رؤسا جاہلوں کو بنائیں گے پھر ان سے سوالات پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔" (صحیح بخاری:100)

ظاہر ہے کہ یہ علم کے بغیر فتویٰ دینا علم دین ہی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ شریعت کے لحاظ سے 'دین کے بغیر علم' جہالت ہی ہے، خواہ دنیوی اعتبار سے معاشرہ بہت تعلیم یافتہ ہو۔

اس ضمن میں دوسری بات یہ ہے کہ علم سینوں سے رخصت نہیں ہو گا بلکہ اہل علم اُٹھتے چلے جائیں گے۔

حدیث میں ہے:

«إِنَّ اللهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ» (صحیح بخاری:100)

"بے شک اللہ تعالیٰ علم لوگوں کے سینوں سے نہیں کھینچے گا بلکہ علم کو اہل علم کے ذریعے اٹھالے گا۔"

گویا صحیح اہل علم کا وجود اُمت پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ جس ملک یا علاقے میں اللہ کا خوف رکھنے والے اہل علم نہیں ہیں، وہ علاقے اس فضل الٰہی سے محروم ہیں۔ اسی علامتِ 'قیامت' کے ضمن میں اہل علم کا رخصت ہوتے چلے جانا، یا قتل ہو جانا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

پیچھے جو شبہ پیش کیا گیا کہ بظاہر تو دینی علوم پڑھنے والے بڑھ رہے ہیں۔ ہزاروں بچے حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ بہت سے ادارے آن لائن علم کی نشرواشاعت میں مگن ہیں۔ خواتین کے حلقوں میں بہت سے ادارے علم کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہیں، جبکہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ مگر حدیث بتا رہی ہے کہ جہالت عام ہو گی اور علم اُٹھ جائے گا۔ اس کا حل بھی ایک حدیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، وہ حدیث اس طرح ہے:

نبی اکرم ﷺ نے کسی بات کا تذکرہ کیا اور فرمایا:

«ذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ»

"یہ اس وقت کی بات ہے جب علم اُٹھالیا جائے گا۔"

زیاد بن لبید کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! کیسے علم چلا جائے گا، حالانکہ ہم قرآن پڑھ رہے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھا رہے ہیں اور اسی طرح روزِ قیامت تک یہ سلسلہ تعلیم جاری رہے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَلَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ لَا يَعْمَلُونَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيهِمَا؟» (سنن ابن ماجہ:4048)

"کیا یہ یہود و نصاریٰ نہیں ہیں یہ بھی تورات و انجیل پڑھتے ہیں مگر ان میں سے کسی پر بھی عمل پیرا نہیں ہیں۔"

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کا فقدان ہو گا اور علم کی روح نہیں ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علِم دین 'عمل' کے لیے نہیں سیکھا جا رہا بلکہ شہرت اور ناموری کے لئے، اپنا سکہ بٹھانے اور اپنے نیٹ ورک کو بڑھانے کے لیے ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ علمِ دین کا حصول ذریعہ آمدن کے طور پر ہو گا۔ دینی دانش گاہوں میں تربیت اور عملی مشق کا فقدان ہو گا۔

اس عنوان کے تحت جو روایات ذکر کی گئی ہیں، ان سے بہت سی ضمنی علامات سمجھ آتی ہیں:

1۔ اہل علم اُٹھتے جائیں گے۔ ان کی جگہ ان جیسے اہل علم نہیں لیں گے۔ اس طرح رفتہ رفتہ کئی علاقوں میں کوئی بھی اہل علم باقی نہیں رہے گا۔

2۔ لوگوں کی قیادت اور باگ ڈور جاہلوں کے ہاتھ میں ہو گی جیسے آج کل عوامی نمائندے ہوتے ہیں۔

3۔ جو علم کے صحیح قدر دان اور علم کے راہی ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کے سینوں سے علم کبھی نہیں نکالے گا۔ اس لیے عموماً اہل علم جسمانی طور پر جس قدر بھی نحیف ہو چکے ہوں، علمی طور پر وہ مضبوط اور قرآن و سنت کے دلائل سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

4۔ ضمناً یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر قرآن و سنت کی تعلیم کا حصول عمل کے ارادے سے نہیں ہے تو پھر وہ کونسے مقاصد ہیں جس کے لیے اتنے ادارے اور انسٹی ٹیوٹ کھلے ہوئے ہیں۔ گویا قربِ قیامت علم دین کو بھی ایک فن اور ذریعۂ معاش کے طور پر حاصل کیا جائے گا۔

5۔ دینی علوم کا سرچشمہ قرآنِ مجید ہے۔ جیسا کہ صحابہ نے عرض کی کہ ہم قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے ہیں تو پھر علم کیسے اٹھا لیا جائے گا؟ آج مدارسِ دینیہ اور جامعات میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کے علوم کو کم اہمیت دی جاتی ہے، اسے فوقیت دینے کی ضرورت ہے۔

6۔ یہود ونصاریٰ خواہشات کی تکمیل کے لیے تاویلات کا سہارا لے کر کچھ نہ کچھ تو عمل کیا ہی کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی ان کی اپنی شریعت کے کچھ حصے کو ماننے اور کچھ کے انکار کرنے کا تذکرہ ہے مگر یہ حدیث بتا رہی ہے کہ ان کے احبار و رہبان سرے سے عمل ہی نہیں کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو عمل اپنی خواہشات کی تکمیل اور ذوق کی تسکین کے لیے کیا جائے، وہ عمل و کردار اللہ کے ہاں اہمیت نہیں رکھتا۔ عمل کی حقیقی راہ یہی ہے کہ ہر وقت، ہر حکم کو بلا تفریق و تخصیص تسلیم کیا جائے۔ وہ حکم عقائد سے تعلق رکھتا ہو یا اعمال سے، سیاست سے ہو یا معیشت سے، تعلیم سے ہو یا تبلیغ سے، معاشرت سے ہو یا اخلاق سے۔

7۔ علم اُٹھ جانے کی علامت کے ضمن میں دیکھیں تو یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ جن دینی جماعتوں کے سربراہ اہل علم ہیں وہ بھی کلیۃً شرعی احکام پر عمل پیرا نہیں ہیں اور جو علماء جماعتوں سے تعلق نہیں رکھتے، وہ بہت سے احکام کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں جن کا تعلق خالصتاً اجتماعی ہے۔ جیسے اسلامی حکومت کی تشکیل اور غلبے کے لیے جستجو احکامِ شریعت میں سے

ہے مگر کئی اہلِ علم کی کتاب زندگی میں اس موضوع کا ایک ورق بھی نظر نہیں آتا اور کئی ایک اہلِ علم ایسے ہیں کہ انہوں نے تبلیغ و دعوت کے شرعی ضابطوں کو سمجھوتے کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اُنہوں نے دعوت کے بنیادی نقطۂ توحید ہی کو نظر انداز کر دیا۔

چہارم: انصاف بکے گا...!

علاماتِ قیامت میں ایک اہم علامت یہ ہے کہ
«وَبَيْعَ الْحُكْمِ» (مسند أحمد بن حنبل:16040؛ صحيح الجامع الصغير وزياداته:2812)
"اور فیصلے فروخت ہوں گے۔"

علامت بھی بالکل واضح ہے۔ اب انصاف بکنے کے مراحل کا جائزہ لیتے ہیں جو ہمارا اصل عنوان ہے اور جس سے ضمنی طور پر بہت سی علامات قیامت سمجھ آتی ہیں:

1۔ جھوٹی وکالتیں ہوں گی۔ فریقین میں سے ایک تو غلطی پر ہوتا ہے مگر ظلم کو عدل ثابت کرنے کے لیے ماہر وکلا اور بڑے بڑے مانے ہوئے لوگ دستیاب ہیں۔ حتیٰ کہ نبوت کا کوئی جھوٹا مدعی کھڑا ہوا تو اس کے تحفظ کے لیے بھی وکیل میسر آ جاتا ہے۔

2۔ جج دباؤ میں آ کر یا لالچ میں آ کر فیصلے کرتے ہیں۔ بڑے فیصلوں کا رخ بدل جاتا ہے، عام سی بات ہے۔ جبکہ حدیث میں جھوٹی گواہیوں کی پیش گوئی علیحدہ سے بھی موجود ہے۔

3۔ بیلف (عدالتی نامہ) لے جانے والے کبھی فریق مخالف کی عدم وصولی کے دستخط خود کر دیتے ہیں۔

4۔ عدالتی ریڈر سے رابطے بڑے عام ہیں، اس کی وجہ سے تاریخیں آگے پیچھے کرنا بھی معمول ہے۔

5۔ انصاف کا حصول اس قدر لمبا اور مشکل ترین بنایا گیا ہے کہ بہت سے لوگ خجل خوار ہونے اور جوتے گھسانے کے بجائے صبحِ قیامت کے منتظر ہیں۔

موجودہ حالات میں یہ مشغلہ بڑا عام ہے۔ منصف بڑا فیصلہ کرنے کے بعد 'خراجِ تحسین' وصول کرنے کے لیے دیارِ کفار کے دورے بھی کرتے ہیں۔ اوپر سے نیچے تک، ہر سطح پر انصاف بکتا ہے۔ کبھی اپنے ہم نواؤں کے لیے انصاف کی دھجیاں بکھرتی ہیں، کبھی کفار کے مذموم مقاصد کے لیے انصاف بکتا ہے۔ کبھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے انصاف خریدا جاتا ہے۔ کہیں ظلم و زیادتی کے لیے انصاف کی نیلامی ہوتی ہے، کہیں اقتدار چھیننے کے لیے انصاف بکتا ہے اور کہیں اقتدار کو طول دینے کے لیے انصاف کو لونڈی بنا لیا جاتا ہے۔ کبھی حلیفوں کے تحفظ کے لیے انصاف سے کھلواڑ کیا جاتا ہے اور کبھی حریفوں کو پھنسانے کے لیے انصاف بکتا ہے، کبھی سیاسی مقاصد کے لیے انصاف دست بستہ نظر آتا ہے اور کبھی مذہب کے ہاتھوں مجبور و لاچار۔

موجودہ حالات میں یہ مشغلہ بڑا عام ہے۔ منصف بڑا فیصلہ کرنے کے بعد 'خراجِ تحسین' وصول کرنے کے لیے دیارِ کفار کے دورے بھی کرتے ہیں۔ اوپر سے نیچے تک، ہر سطح پر انصاف بکتا ہے۔ کبھی اپنے ہم نواؤں کے لیے انصاف کی دھجیاں بکھرتی ہیں، کبھی کفار کے مذموم مقاصد کے لیے انصاف بکتا ہے۔ کبھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے انصاف خریدا جاتا ہے۔ کہیں ظلم و زیادتی کے لیے انصاف کی نیلامی ہوتی ہے، کہیں اقتدار چھیننے کے لیے انصاف بکتا ہے اور کہیں اقتدار کو طول دینے کے لیے انصاف کو لونڈی بنا لیا جاتا ہے۔ کبھی حلیفوں کے تحفظ کے لیے انصاف سے کھلواڑ کیا جاتا ہے اور کبھی حریفوں کو پھنسانے کے لیے انصاف بکتا ہے، کبھی سیاسی مقاصد کے لیے انصاف دست بستہ نظر آتا ہے اور کبھی مذہب کے ہاتھوں مجبور و لاچار۔

غرض کہ علاماتِ قیامت میں سے انصاف بکنے والی العزیزیہ سٹیل ملز کا فیصلہ کرنے والے جج ارشد ملک کی مثال واضح ہے جس کو آخر کار نوکری سے برطرف کر دیا گیا۔ پھر سابق چیف جسٹس نے آسیہ مسیح کا فیصلہ کر کے ایک ایسی مثال پیش کی جس پر ملک بھر کے عوام نے شدید احتجاج کیا۔

3۔ سفارش کا عام ہونا بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہے۔ فیصلہ کرتے ہوئے صاحبِ حیثیت اور عام شخص میں کھلا امتیاز کیا جاتا ہے۔ کسی سے کوئی ظلم و قتل ہو جائے تو وہ خود کو انصاف کے لیے پیش کرنے کے بجائے جج سے رابطے کے لیے کسی سفارشی کو ڈھونڈ رہا ہوتا ہے۔

4۔ انصاف بکنے نے رشوت ستانی کا بازار بھی گرم کر رکھا ہے۔ عدالتی نظام کی اس خرابی کی وجہ سے لاکھوں مقدمات کے فیصلے توجہ کے منتظر ہیں۔

1۔ جھوٹے اشٹام پیپر نکلوائے جاتے ہیں۔

2۔ جھوٹے انگوٹھے اور جھوٹی گواہیاں جن پر بڑے

5۔ امام مہدی کے ظہور سے پہلے روئے زمین پر ظلم کے دور دورے کا تذکرہ بھی حدیث میں ہے:
«يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا، كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا» (سنن ابو داود:4285)
"امام مہدی زمین کو عدل سے بھر دیں گے جیسا کہ اس سے پہلے یہ ظلم سے بھری ہوئی ہو گی۔"

اسی طرح دیگر علامات قیامت کے ضمن میں بہت سی علامات سمجھ آتی ہیں۔ اس سے ہمارے سامنے بہت سے پہلو عیاں ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم علاماتِ قیامت کو علم کا موضوع اور دروس و خطبات کا عنوان بنائیں او ران سے استفادہ کرتے ہوئے فرد اور معاشرے کی اصلاح کریں۔

اللہ ہم سب کو اپنے احوال درست کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

☆☆☆



دعوت ولیمہ کیا کب اور کیسے؟

محمد عبد الہادی العمری

اسلام میں شادی بیاہ کے مسائل کو بہت اہمیت دی گئی ہے،اس کے متعلق احکام و مسائل نہایت شرح وبسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ لڑکے لڑکی کا انتخاب منگنی، عقد نکاح، رخصتی وغیرہ وغیرہ، ان ہی میں دعوت ولیمہ کا مسلم بھی ہے، شادی کی مناسبت سے اسی ایک دعوت کی اہمیت ہے جو دولہا کی جانب سے اس خانہ آبادی کے پُر مسرت موقع پر دی جاتی ہے۔

ولیمہ یہ دراصل عربی لفظ "ولم" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ایسا اجتماع جس میں دوست احباب اکٹھے ہو کر کھانا کھائیں، شادی کی مناسبت سے شوہر اور بیوی کا اجتماع ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے عقد نکاح کی مناسبت سے دی جانے والی دعوت کو ولیمہ کہہ دیا جاتا ہے، فقہائے کرام کے ساتھ اہل لغت بھی ولیمہ کے اس مفہوم ہوتی ہیں۔ اس مسئلے میں ماہرین لغت کی رائے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ وہ زبان اور اس کے استعمال کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔ (المغنی نیل الاوطار، باب الولیمہ)

دعوت ولیمہ کے علاوہ شادی کی مناسبت سے کسی اور دوسری دعوت کی اہمیت نہیں، عہد نبوی ﷺ اور دور صحابہ جسے خیر القرون میں سے بہترین زمانہ کہا جاتا ہے، وہاں شادی کا جو طریقہ رائج تھا، وہ یہ کہ رشتہ طے ہو جانے کے بعد بھی کچھ لوگوں کی موجودگی میں عقد نکاح ہو جاتا، پھر دولہا اپنی حیثیت کے مطابق دعوت ولیمہ کا اہتمام کرتا جو نکاح کے اعلان اور اظہار مسرت کا بہترین ذریعہ ہے، اس کے علاوہ لڑکی کی طرف سے باقاعدہ دعوت یا بھاری بھرکم برات کاروائی نہیں تھا اور نہ ہی اس کی شرعی حیثیت ہے لیکن ہمارے سماج میں رسم ورواج کی کثرت اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ حقائق دب کر رہ گئے، ان میں ایک سنگین مسئلہ دعوتوں کے سلسلے میں ہونے والی بے اعتدالیوں کا ہے، جیسے کہ دولہا بڑی بات کے ساتھ عقد نکاح کے لیے حاضر ہو اس کے لیے دعوت نامے تقسیم کر کے دوست احباب کو مدعو کیا جائے، دلہن والوں کو پر تکلف دعوت کے لیے مجبور کیا جائے، حتی کہ مالی طور پر کمزور والدین جو اپنی بیٹی کی شادی دوست احباب سے مالی تعاون اکٹھا کر کے کرتے ہیں وہ بھی اس ضیافت کا اہتمام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، کیونکہ یہ لڑکے والوں کا مطالبہ ہے وورنہ شادی میں رکاوٹ پیش آئے گی گویا لڑکی والوں کی جانب سے اکثر وبیشتر یہ دعوت جبر واکراہ معاشرتی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ ہاں اگر عقد نکاح کی محفل میں شرکت کرنے والوں کی تواضع کرتے ہوئے ضرورت کے مطابق خورد ونوش کے لیے پیش کیا جائے تو ممانعت نہیں، لیکن اس کو شادی کا لازمی حصہ بنالینا اس کی انجام دہی کے لیے پسماندہ خاندانوں کا قرض کے بوجھ یا بھیک کی چکی میں پسنا ضرور غور طلب ہے، اس کی نوعیت بھی جہیز جیسی ہی ہے جو کچھ لوگ مطالبہ کر کے اور کچھ خاموشی سے وصول کرتے ہیں ہندو پاک کے کچھ علماء نے شادی کے دن لڑکی کی طرف سے کھلائے جانے والے کھانے کے خلاف تحریک چلارہی ہے، وہ ایک دعوت کو درست نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ عموماً یہ مجبوری یا زبردستی کی دعوت ہوتی ہے۔ ان پسماندہ علاقوں یا گھرانوں کے حالات کا جائزہ لیں تو ان کی اس فہم اور تحریک میں بڑا وزن دکھائی دیتا ہے۔

دیکھئے عہد نبوی ﷺ کی شادی کی ایک جھلک سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا عقد نکاح ہے، جو مدینہ منورہ میں انجام پایا اور خود رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرہ اور اس پر شادی کی علامتیں دیکھیں تو دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے! انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے شادی کرلی ہے اس جواب پر آپ ﷺ نے کسی غصہ یا ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کہ مجھے دو کیوں نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ نے دولہا اور دلہن کے حق میں خیر وبرکت کی دعا فرمائی۔ مہر کے تعلق استفسار فرمایا اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کھجور کی گٹھلی برابر سونا جو اس زمانہ میں ایک عام اصطلاح تھی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں دعوت ولیمہ کرنے کی ہدایت کی کہ ایک بکری ذبح کر کے کھلا دو۔ اس ضمن میں حدیث شریف یوں مذکور ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ قَالَ مَا هَذَا قَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ "میں نے ایک عورت سے ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے کے مہر پر نکاح کرلیا ہے، نبی

کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، دعوت ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی ہو۔" (صحیح بخاری: 5155؛ صحیح مسلم: 3490)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقع پر جب سیدہ صفیہ کو ام المؤمنین بنایا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وقت اطلاع ہوئی جب انہیں دعوت ولیمہ میں مدعو کیا گیا۔ نہ ہی کوئی بات اور نہ ہی پیشگی ضیافت کا اہتمام ہوا۔ (صحیح بخاری: 371؛ صحیح مسلم: 3504)

آپ ﷺ نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عقد نکاح کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"إنه لابد للعرس من وليمة."

"شادی کی مناسبت سے دولہے کے لیے ولیمہ کا اہتمام ضروری ہے۔" (صحیح الجامع: 2418؛ صحیح، مسند احمد بن حنبل: 5/359)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو درست قرار دیا۔ (فتح الباری، کتاب النکاح)

لہٰذا مشہور صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک بکرا فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور کچھ انصاری صحابہ نے آٹا وغیرہ کا اہتمام کیا۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں یہ بڑی اہم شادی تھی اس میں نبی کریم ﷺ نے ضیافت کا اہتمام نہیں فرمایا بلکہ ہونے والے داماد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ولیمہ کا حکم دیا۔

دعوت ولیمہ کی شرعی حیثیت

ولیمہ کی حیثیت جمہور علماء کے خیال کے مطابق سنت مؤکدہ کی ہے اور بعض علماء نے اسے واجب کہا ہے۔ اس دعوت کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کا حکم، ذاتی فعل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ (المغنی مسئلہ نمبر: 1217؛ نیل الاوطار کتاب الولیمہ)

ولیمہ کا وقت

ولیمہ کے وقت میں مناسب گنجائش ہے، عقد نکاح سے لے کر رخصتی اور خلوت صحیحہ کے بعد کبھی بھی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے، اس کے لیے رخصتی یا خلوت شرط نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ

"سلف صالحین کے درمیان ولیمہ کے وقت کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، عقد نکاح کی مجلس میں یا اس کے بعد یا رخصتی کے موقع پر یا خلوت کے بعد یا عقد نکاح سے خلوت کے بعد تک حسب سہولت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔" (فتح الباری، باب الولیمہ: 23)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

قاضی عیاض نے مالکیہ کی رائے نقل کی ہے کہ

"مستحب خلوت کے بعد ہے لیکن عقد نکاح کے بعد بھی یہ دعوت ہوسکتی ہے۔ ابن جندب نے عقد نکاح کے بعد اور خلوت کے بعد دونوں اوقات کو درست بتایا۔"

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

"إن وقتها موسع من حين العقد."

"اس دعوت کے وقت میں گنجائش ہے، یہ عقد نکاح کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔" (نیل الاوطار، کتاب الولیمہ)

علامہ سید سابق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"ولیمہ کا وقت عقد نکاح کے موقع پر یا رخصتی کے دن یا خلوت کے بعد ہوتا ہے، اس مسئلہ میں مقامی عادات کے مطابق گنجائش ہے۔" (فقہ السنہ، باب الولیمہ)

بعض مالکیہ اور شوافع کا نقطۂ نظر ہے کہ

"اگر نکاح کے فوری بعد رخصتی عمل میں آرہی ہو تو اس وقت ولیمہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اعلان نکاح کا یہ مناسب وقت ہے، یعنی خلوت سے قبل۔" (فتح الباری: 19/231)

امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض اہل علم سے ایسا ہی قول نقل کیا ہے۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام: 1/154)

علامہ الدمیری نے لکھا ہے کہ

"فقہاء نے اس کے وقت کے مسئلہ پر زیادہ توجہ نہیں دی اور نہ ہی اس کو باقاعدہ موضوع بنایا، اس میں بڑی گنجائش ہے۔" (النجم الوھاج: 7/393)

علامہ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ ممبر آف سینئر علما کونسل سعودی عرب نے لکھا ہے کہ

"ولیمہ کے وقت میں بڑی گنجائش ہے، یہ عقد نکاح سے شروع ہو کر شادی کی تقریبات ختم ہونے تک رہتا ہے۔" (الملخص الفقهی: 2/364)

مفتی تقی عثمانی حنفی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ولیمہ کا ترجیحی وقت اگرچہ خلوت کے بعد کا ہے کیونکہ اس طرح سنت ولیمہ اور سنت وقت دونوں ادا ہو جائیں گے، لیکن فقہاء مختلف اقوال کی بنیاد پر سنت ولیمہ نکاح کے بعد یا رخصتی سے قبل یا بعد کسی بھی وقت کر لینے سے ادا ہو جاتی ہے۔" (فتاویٰ عثمانی: 2/ حاشیہ 303)

رسول اللہ ﷺ نے خلوت کے بعد ولیمہ فرمایا۔ اس لیے اس کی بلاشبہ اہمیت ہے، جیسے ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا عَرُوسًا فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ

"نبی کریم ﷺ نے میرے ساتھ رخصتی کے بعد لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا۔" (صحیح بخاری: 5166؛ صحیح مسلم: 3506)

لیکن اس واقعہ سے یہ استدلال کہ ولیمہ کا وقت شروع ہی خلوت کے بعد ہوتا ہے، یہ محل نظر ہے اسی لیے معتبر علماء اور فقہاء نے اس کے وقت میں وسعت اور گنجائش بتائی ہے۔ نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس دور میں شادی کی اطلاع ہی دعوت ولیمہ کے ذریعہ ہوتی تھی، پیشگی یا دوسری دعوت یا دولہا کے ساتھ برات وغیرہ کا رواج ہی نہیں تھا۔ لہٰذا جو لوگ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے وقت ولیمہ کے لیے استدلال کرتے ہیں، وہ واقعہ کا ایک جز تو لے رہے ہیں اور دوسرے اجزاء نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ زیادہ مناسب نہیں اور آج کل بعض علاقوں میں اس مسئلہ کی اہمیت عقد نکاح کے فوری بعد ولیمہ کر دیا جائے بڑھ گیا ہے۔ تاکہ غلط رسم ورواج کو ختم کیا جا سکے، کیونکہ اصول فقہ کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضرر رساں امور اور ذرائع کو روکنا منافع تلاش کرنے سے بہتر ہے۔

عقد نکاح کے فوری بعد اگر رخصتی عمل میں آ رہی ہو تو اسی وقت دعوت ولیمہ کا اہتمام کرنے میں کئی فائدے ہیں۔ لڑکی کے والدین اس اضافی بوجھ سے محفوظ رہیں گے اور اکثر مہمانوں کو 2 مرتبہ آمد ورفت کی زحمت سے بھی نجات مل سکے گی اور مزید یہ کہ بعض گھرانے غیر ضروری تکلفات اور تصنعات سے بھی بچیں گے وہ اس طرح کہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ عقد کے موقع پر ہم کھانے کا انتظام نہیں کرتے، جب کہ دیکھا گیا کہ باقاعدہ اس کا اہتمام ہوتا ہے البتہ مہمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ عام لوگ جو صرف محفل عقد نکاح اور دعائے خیر میں شمولیت کے بعد واپس چلے جائیں اور خاص مہمان جن کے لیے باقاعدہ طعام کا بندوبست ہوتا ہے انہیں محفل عقد میں روک لیا جاتا ہے کہ عام لوگوں کے جانے کے بعد خاصوں کے لیے کھانے کا انتظام ہے۔ مہمانوں کے درمیان اس خاص وعام کی تفریق سے شکوہ اور شکایات کا دفتر کھل جاتا ہے۔ دعوت ولیمہ کتنے دن تک کی جاسکتی ہے:

دعوت ولیمہ عموماً ایک ہی دن کی جاتی ہے اور ضرورت ہو تو دوسرے، تیسرے دن بھی کی جاسکتی۔

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں گوشت اور جو کی روٹی کا اہتمام کیا گیا۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ اس زمانہ کے لحاظ سے بہترین دعوت تھی۔(فتح الباری، باب الولیمہ)

اسی طرح سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بکری ذبح کر کے ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» "ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ۔"(صحیح بخاری:5167؛ صحیح مسلم:3490)

ولیمہ کی مذکورہ دعوتوں میں فرق اس حالات کے لحاظ سے تھا، جب جو میسر آیا اس سے ضیافت کی گئی۔ لہٰذا دعوت ولیمہ کی کیفیت میں کمی پیشی کی حسب ضرورت گنجائش ہے، علماء اور محدثین نے ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر دعوت ولیمہ میں خصوصی اہتمام کا سبب یہ بتایا کہ ان کے ساتھ یہ نکاح عام روش سے ہٹ کر آسمان کی بلندیوں پر انجام پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا، ان کا پہلا نکاح ایک آزاد کردہ غلام کے ساتھ انجام پایا تھا۔ پھر اس نکاح کے ذریعہ زمانہ جاہلیت کی غلط رسم کو ختم کیا گیا کہ منہ بولے بیٹے متبنی کی مطلقہ سے شادی نہیں کی جاسکتی تھی اس، یہ وقت کے غلط کلچر کے خلاف بڑا جرا تمندانہ اقدام تھا، ممکن ہے ان اسباب کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا ہو، مزید یہ کہ اس دعوت میں خیر وبرکت کے خصوصی نظارے دیکھے گئے کہ ایک بکری متعدد لوگوں کی شکم سیری کا سبب بن گئی۔

دعوت میں اخلاقی مروت اور ہمدردی

دعوت ولیمہ دینے اور قبول کرنے کی جہاں تاکید کی گئی ہے، وہیں کچھ آداب بتائے گئے ہیں کہ اس میں معاشرہ کے پسماندہ اور غریب لوگوں کی دلجوئی کا خاص حکم دیا گیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﷺ

"ولیمہ کا وہ کھانا بدترین کھانا ہے جس میں مالداروں کو مدعو کیا جائے اور محتاجوں کو نظر انداز کر دیا جائے، جس نے ولیمہ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔"
(صحیح بخاری:5177؛ صحیح ابن حبان:5305)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولیمہ کا ایسا کھانا کیا ہی برا ہے جس میں آنے والوں کو روکا جاتا ہے اور آنے والوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ یعنی خوشحال لوگوں کو زور دے کر بلایا جاتا ہے اور محتاجوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے، ایک اور حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ: «شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ، فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ»

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بدترین کھانا ایسے ولیمے کا کھانا ہے کہ جو اس میں آنا چاہتا ہے اسے روک دیا جاتا ہے اور جو اس میں نہیں آنا چاہتا ہے اسے زبرتی بلایا جاتا ہے۔"(صحیح مسلم:3525)

لہٰذا اس مبارک موقع پر محتاجوں کے ساتھ بے مروتی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایسے ہی فضول خرچی اور اسراف کی ہر جگہ ممانعت ہے، یا اپنی حیثیت سے زیادہ قرض لے کر پُر تکلف دعوت کا اہتمام بھی غیر دانشمندی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شادی کو خیر وبرکت کا ذریعہ بنائے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

☆☆☆



ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾(سورۃالتوبہ:36)

”اللہ کے ہاں سال بھر کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔یہ معاملہ نوشتہ الٰہی میں اسی دن سے ہے جس دن اللہ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔“

محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔ یہ چار ماہ حرمت والے ہیں۔(مسند احمد)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالْفَجْرِ 0 وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ (سورۃالفجر:1۔2)

”قسم ہے فجر کی اور قسم ہے 10 راتوں کی۔“

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے:

”عشر سے مراد ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی 10 دن ہیں۔“ (مسند احمد)

عشرہ ذوالحجہ سال کے افضل ترین دن ہیں۔ ان میں عبادت کرنا، اللہ کو بہت پسند ہے۔(صحیح بخاری)

عشرہ ذوالحجہ میں کثرت سے تہلیل، تکبیر اور تحمید یعنی لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد کہنا چاہیے۔(مسند احمد)

عرفہ کے دن (ذوالحجہ کی نویں تاریخ) کو اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔ (سنن ابن خزیمہ)

عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال گزشتہ اور سال آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔(صحیح مسلم)

جو قربانی کرنا چاہیں وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ تراشیں۔(صحیح مسلم)

جو قربانی نہ دے سکتے ہوں وہ بھی نماز عید کے بعد بال اور ناخن کٹائیں تو انہیں بھی قربانی کا ثواب ملے گا۔ (مسند بیہقی)

عید کے دن اچھا لباس پہننا اور خوشبو لگانا مسنون ہے۔(مستدرک حاکم)

عید الاضحیٰ کی نماز، عید الفطر کی نماز کے وقت سے پہلے پڑھنا چاہیے، احادیث میں آتا ہے کہ جب سورج ایک نیزہ برابر بلند ہوتا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نماز عید الاضحیٰ ادا فرماتے تھے اور سورج دو نیزے برابر بلند ہو تو تو نماز عید الفطر ادا فرماتے۔ مسند احمد)

عید گاہ کو پیدل جانا مسنون ہے لیکن ضرورت ہو تو سواری استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ از شیخ ابن عثیمین)

عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے ہوئے کچھ نہ کھا کر جانا اور نماز کے بعد قربانی کا گوشت تناول کرنا سنت ہے۔ (صحیح بخاری)

عید گاہ کو پیدل جانا مسنون ہے لیکن ضرورت ہو تو سواری استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ للشیخ العثیمین)

عید الاضحیٰ کی نماز کو جاتے ہوئے کچھ نہ کھا کر جانا اور نماز کے بعد قربانی کا گوشت تناول کرنا سنت ہے۔ (صحیح بخاری)

عید کی نماز آبادی سے باہر کھلے میدان میں ادا کرنا مسنون ہے، بصورت مجبوری مسجد میں ادا کی جا سکتی ہے۔(سنن ابو داؤد)

افسوس کہ برطانیہ اور یورپی ممالک میں چونکہ موسم اکثر وبیشتر سرد، تیز ہواؤں، آندھیوں، بارشوں والا اور غیر متوقع ہوتا ہے اس لیے عموماً اس سنت پر عمل آوری نہیں ہوتی۔ جب یہ عذر نہ ہو تو اس سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

الحمدللہ، کل اس سنت پر عمل آوری ہو رہی ہے۔

عورتوں کو عید گاہ لے جانا مسنون ہے۔ اگر عذر شرعی کی وجہ سے نماز ادا نہ کر سکتی ہوں تب بھی وہ عید گاہ جائیں تاکہ عید کی خوشی اور دعا میں شامل ہو سکیں۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نماز عید کے لیے جانے والی خواتین عطریات اور خوشبو کا استعمال نہ کریں تاکہ مردوں کے لیے فتنہ کا باعث نہ بن سکیں۔(صحیح مسلم)

نماز عید کی دو رکعت ہیں، اس کے لیے اذان واقامت کی ضرورت نہیں ہے۔(مسند بزار)

عید گاہ میں نماز عید سے پہلے یا بعد میں کسی قسم کی نماز خواہ وہ سنت ہو کہ نفل، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ثابت نہیں۔(فقہ السنہ)

عید کی نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ 12 تکبیریں کہنی مسنون ہیں، پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے 7 تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں اور ہر تکبیر پر رفع الیدین کرنا مسنون ہے۔(مسند احمد)

نماز عید کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الجمعہ اور سورۃ ق میں سے کوئی ایک سورۃ پڑھنا اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ، سورۃ المنافقون اور سورۃ القمر میں سے کوئی ایک سورۃ

پڑھنا مسنون ہے۔(صحیح مسلم)
اگر کسی کی نماز عید کی جماعت چھوٹ جائے تو وہ زائد تکبیرات کے ساتھ دو رکعت پڑھ لے۔ (صحیح بخاری)
نماز عید کے بعد خطبہ ہوگا اور خطبہ میں اجتماعی دعا ہو گی۔(سنن ابن ماجہ)
کھڑے ہو کر خطبہ دینا مسنون ہے، نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔(مسند بزار)
عیدین کے خطبے بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر دینا مناسب نہیں ہے۔ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے عیدین کے موقعوں پر بیٹھ کر خطبہ دینا ثابت نہیں ہے، حتیٰ کہ ان موقعوں پر آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مردوں کو خطبہ دینے کے بعد اس خیال سے کہ عورتوں کو پوری طرح آواز نہ پہنچی ہو گی، آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ان کے قریب تشریف لے جاتے اور دوبارہ انہیں مخاطب فرماتے تھے، بیٹھتے نہیں تھے، آج کل عیدین کے موقع پر غیر اہل حدیث خطباء حضرات کی اکثریت کا یہ معمول بن چکا ہے کہ وہ بیٹھ کر خطبہ دیتے ہیں، جن کی نمایاں تصاویر اخبارات اور رسائل کی زینت بھی بنتی ہیں۔
بدقسمتی سے کتاب و سنت سے دوری کی وجہ سے کئی بدعات و خرافات ہماری عبادات اور مساجد میں داخل ہو گئی ہیں، ان میں یہ بدعت بھی شامل ہے، اس لیے علماء کرام اور خطیب حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ سنت نبوی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر عمل پیرا ہوں اور اس بدعت سے احتراز و اجتناب کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:
﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (سورۃ الاحزاب:21)
”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔“
قربانی کا جانور نماز عید کے بعد ذبح کرنا چاہیے اگر کوئی نماز عید سے پہلے ذبح کر ڈالے تو وہ قربانی نہیں ہو گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
برطانیہ میں بعض بے دین قسم کے دوکاندار اور تاجر لوگ پیشگی قربانی کے آرڈر لے لیتے ہیں اور نماز عید سے قبل بلکہ رات ہی میں ذبح کر کے صبح تک ان کا حصہ تیار کر کے ڈبوں میں پیک کر دیتے ہیں اور گاہک خوش ہو جاتے ہیں کہ نماز عید سے فراغت ہوتے ہی ان کی قربانی ادھر کٹی کٹائی تیار ہے اور جو لوگ خود سلاٹر ہاؤس (کمیلہ) جاتے ہیں بسا اوقات اس کام میں پورا دن صرف ہوتا ہے، بعض دفعہ تیار شدہ گوشت دوسرے دن گھر پہنچتا ہے، پچھلے سالوں برطانیہ کے مسلم قائدین اور علماء کرام نے جب حلال گوشت کی جانچ پڑتال شروع کی تو بے ایمانی اور غیر دیانتداری کی ایسی کریہہ مثالیں سامنے آئیں کہ الامان والحفیظ! اللہ انہیں ہدایت دے جو دنیا کی خاطر اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں، اس لیے قربانی کا آرڈ دینے والوں کو اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ ان کی قربانی نماز عید سے پہلے ذبح نہ ہو جائے۔
رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مدینہ منورہ میں 10 سال رہے اور ہر سال برابر قربانی کرتے رہے۔(جامع ترمذی)
پورے گھر کی طرف سے ایک قربانی کافی ہے۔(جامع ترمذی)
قربانی کے جانور کے ہر ہر بال پر ایک ایک نیکی ملے گی۔(مستدرک حاکم)
قربانی کا جانور لاغر اور بیمار نہ ہو، ٹوٹے ہوئے سینگ والا، اندھا، کانا، لنگڑا اور نصف سے زیادہ کان کٹا ہوا نہ ہو۔(سنن ابن ماجہ)
ایک اونٹ یا گائے کی قربانی میں 7 حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں۔(صحیح مسلم)
بغیر سود کے قرض حسنہ لے کر قربانی کرنا جائز ہے۔
10 ذوالحجہ سے 13 ذوالحجہ کی عصر تک قربانی کی جاسکتی ہے۔(نیل الاوطار للشوکانی)
قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے لیکن ضرورت پر دوسروں سے بھی ذبح کروا سکتے ہیں۔ (صحیح بخاری)
قربانی رات کے وقت بھی کی جاسکتی ہے۔(فقہ السنہ)
قربانی کا گوشت خود استعمال کرنا، فقراء و مساکین کو دینا، دوست و احباب اور خویش و اقارب میں تقسیم کرنا مسنون ہے۔(فقہ السنہ)
جہاں غرباء و مساکین یا عزیز و اقارب نہ ہوں وہاں سارا گوشت خود بھی رکھ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ صراط مستقیم، مولانا محمود احمد میرپوری)
قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ (فتاویٰ صراط مستقیم، مولانا محمود احمد میرپوری)
قربانی کا گوشت قصاب کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کی اجرت اور مزدوری کے بدلے میں قربانی کا گوشت یا کھال دینا جائز نہیں ہے۔(فقہ السنہ)
برطانیہ میں چونکہ کھالیں سلاٹر ہاؤس (مذبح) والے لیتے ہیں اور جانور کی قیمت میں اس کی کھال شامل نہیں ہوتی، اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ یہاں قربانی کرنے والے حضرات اس کے عوض ایک چار، دو پاؤنڈ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیں۔
استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں پر بڑی وعید آئی ہے۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:
”جو استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ مسلمانوں کی عید گاہ میں نہ آئے۔“ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)
جائز طریقے سے عید کے دن خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا، اچھے کپڑے زیب تن کرنا، اچھے کھانا تناول کرنا، معقول شعر و شاعری کی محفلوں کو منعقد کرنا، اہل و عیال، دوست و احباب کے ساتھ سیر

و تفریح، جشن ہائے عید کا اہتمام کرنا جائز بلکہ عید کا تقاضا ہے، ایسے موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔(خلاصہ فقہ السنہ)

عشرہ ذوالحجہ سال کے افضل ترین دن ہیں۔ ان میں عبادت کرنا اللہ کو پسند ہے۔(صحیح بخاری)

ذوالحجہ میں ایک عمل کا ثواب 700 گناہ تک مل سکتا ہے۔(الترغیب والترہیب)

عشرہ ذوالحجہ میں نفلی روزوں کی بڑی فضیلت ہے۔ نبی کریم ﷺ ان مبارک ایام میں روزے رکھا کرتے تھے۔(سنن ابو داوٗد)

عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔(سنن ابن خزیمہ)

غیر حاجی کے لیے عرفہ کے روزہ سے اللہ تعالیٰ سال گزشتہ اور آنے والے سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ لہٰذا 9 ذوالحجہ (یوم عرفہ) کو روزہ رکھنا سنت ہے۔(صحیح مسلم:1162)

عید یعنی ذوالحجہ کے دسویں رات قیام کی بڑی فضیلت ہے۔(سنن ابن ماجہ)

نماز عید کے لیے ایک راستہ سے آنا اور نماز کے بعد دوسرے راستے واپس ہونا مسنون ہے۔(صحیح بخاری)

عید کے دن اور ایام تشریق (ذوالحجہ کی 11، 12 اور 13 تاریخ میں روزہ رکھنا منع ہے۔(فتح الباری)

9 ذوالحجہ کی فجر سے 13 ذوالحجہ کی عصر تک فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا چاہیے۔ نماز کے علاوہ جب بھی موقع ملے تکبیرات کہتے رہنا چاہیے۔(فقہ السنہ)

عید کی نماز کو آتے ہوئے اور عید گاہ میں نماز سے پہلے بلند آواز سے تکبیر کہیں۔

تکبیر یہ ہے:الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد(فقہ السنہ)

عورتیں بھی اپنی یا دوسروں کی قربانی کے جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کر سکتی ہیں۔(صحیح بخاری)

☆☆☆

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فإن الخير كله، أصله وفصله، منحصر في العلم والإيمان

"ہر قسم کی خیر اور بھلائی، بڑی ہو یا چھوٹی، تمام تر علم اور ایمان میں محصور ہے!"

(اقتضاء الصراط المستقیم:1/372)

☆☆☆

مردہ کون؟

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"میت وہ نہیں جس کی روح پرواز کر گئی، میت تو وہ ہے جو سمجھتا نہیں کہ اس کے رب کے اس پر کیا حقوق ہیں۔"

(التذکرۃ:18)

حج کی کیفیات

لبیک کہہ رہے ہیں کروڑوں جواب میں — کیسا اثر خلیلؑ کے لب کی صدا میں ہے
اللہ رے حرم کا جلالِ نظر نواز — کیا حسن، کیا وقار یہ سادہ بنا میں ہے
نغمات 'لاشریک' میں قدسی بھی ہیں شریک — سازِ ازل کی گونج حرم کی فضا میں ہے
رکھے جہاں قدم وہ مصلیٰ ہے حشر تک — کیا بات اے خلیلؑ ترے نقشِ پا میں ہے
زمزم پئیں تو پیتے چلے جائیں تشنہ لب — تاثیر سلسبیل اس آبِ شفا میں ہے
قطرہ رگِ ذبیح سے کوئی گرا نہ تھا — خوشبو مگر لہو کی ابھی تک فضا میں ہے
بخشے خدا نگاہ تو آتی ہے وہ نظر — روحِ خلیلؑ آج بھی پھرتی منیٰ میں ہے
بے بال و پر ہی عرشِ بریں تک پہنچ گیا — پرواز کا کمال یہ حرفِ دعا میں ہے
قطرے گرے جو آنکھ سے تو کام آ گئے — تاثیر کتنی قطرۂ آبِ صفا میں ہے
جتنے ہیں اور سب ہیں تباہی کے راستے — انساں کی تو فلاح رہِ مصطفیٰ میں ہے
عارف ہزار بات کی بس ایک ہی ہے بات — دل کو اگر سکوں ہے تو یادِ خدا میں ہے

خواجہ محمد عارف، برمنگھم



اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا پرستی کی نشانیوں کو بے حرمت نہ کرو نہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال کر لو، نہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی کرو، نہ ان جانوروں پر ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذر خداوندی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں، نہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکان محترم (کعبہ) کی طرف جارہے ہوں۔ ہاں احرام کی حالت ختم ہو جائے تو شکار تم کر سکتے ہو اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں! جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔ (ترجمانی سورۃ مائدہ:2)

قارئین کرام!

خدا پرستی کی نشانیوں کی تعظیم ہر مسلمان پر ضروری ہے فرمایا: لَا تُحِلُّو شَعَائِرَ اللّٰهِ "اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔"

یہ لفظ دراصل شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں علامت یعنی آنکھوں دیکھے جانے والی چیزیں اور محسوس کی جانے والی باتیں وغیرہ۔ اللہ تبارک تعالیٰ یہاں پر جن "شعائر" کی طرف اہل ایمان کو متوجہ فرما رہے ہیں یہ شعائر حج سے متعلق ہیں غرض کہ شعائر اللہ کے احترام کا عام حکم دینے کے بعد آگے کے فقرے میں چند خاص شعائر کا نام لے کر ارشاد ہو رہا ہے: ﴿وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ نہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال کر لو۔

سال کے کل مہینوں کی تعداد بارہ 12 ہے جن کے چار مہینے ادب والے ہیں:

1۔ ذوالقعدہ　2۔ ذی الحجہ

3۔ محرم　4۔ رجب

جیسا کہ سورۃ توبہ کی آیت نمبر 63 میں ارشاد ہوا ہے فرمایا:

﴿مِنهَا أَربَعَةٌ حُرم﴾ اور ان میں چار مہینے حرام ہیں یعنی ادب کے ہیں۔

تفاسیر کے مطالعہ سے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ مذکورہ 4 مہینوں کا ادب و احترام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی چلتے آرہا ہے اور اسلام کے ظہور میں آنے سے ایک عرصہ قبل تک بھی لوگ ان مہینوں کا لحاظ کرتے رہے اور ان مہینوں میں نہ جھگڑا کرتے اور نہ ہی خونریزیاں ہوا کرتیں لیکن عرب کی جاہلت جب اپنی انتہا کو پہنچ چکی تو لوگ ان ادب والے مہینوں کا پاس و خیال رکھنا چھوڑ دیئے اور خود ساختہ طریقے پر عمل کرتے ہوئے "نسی" کی رسم نکالی گئی اور جب چاہتے حرمت والے مہینوں کی ترتیب میں الٹ پھیر کرتے اور اللہ نے جن مہینوں کو ادب والے مہینے قرار دیا ہے اس کی نافرمانی کرتے ہوئے ایک قبیلہ دوسرے پر چڑھائی کرتا اور کسی چیز کا انتقام لینا ہو تا تو لے لیتا۔ اس طرح اللہ تبارک تعالیٰ عرب کے ان جاہلانہ طرز عمل سے اہل ایمان کو بچانے کیلئے حکم فرمارہا ہے کہ ادب والے مہینوں کو بے حرمت نہ کرو۔

"قربانی کے جانور اور ان کا احترام"

آیت مبارکہ میں تیسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ نہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی کرو، نہ ان جانوروں پر ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذر خداوندی کی علامت کے طور پر پٹہ پڑے ہوئے ہوں۔ قربانی کے جانوروں سے متعلق یہاں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔

1۔ ﴿وَلَا الهَدیَ﴾ "هدی" ایسے جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کیلئے حاجی اپنے ساتھ حرم کو لے جاتے ہیں۔

تفاسیر کے مطالعہ سے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ مذکورہ 4 مہینوں کا احترام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی چلتے آرہا ہے اور اسلام کے ظہور میں آنے سے ایک عرصہ قبل تک بھی لوگ ان مہینوں کا لحاظ کرتے رہے اور ان مہینوں میں نہ جھگڑا کرتے اور نہ ہی خونریزیاں ہوا کرتیں لیکن عرب کی جاہلت جب اپنی انتہا کو پہنچ چکی تو لوگ ان ادب والے مہینوں کا پاس و خیال رکھنا چھوڑ دیئے اور خود ساختہ طریقے پر عمل کرتے ہوئے "نسی" کی رسم نکالی گئی اور جب چاہتے حرمت والے مہینوں کی ترتیب میں الٹ پھیر کرتے اور اللہ نے جن مہینوں کو ادب والے مہینے قرار دیا ہے اس کی نافرمانی کرتے ہوئے ایک قبیلہ دوسرے پر چڑھائی کرتا اور کسی چیز کا انتقام لینا ہو تا تو لے لیتا۔ اس طرح اللہ تبارک تعالیٰ عرب کے ان جاہلانہ طرز عمل سے اہل ایمان کو بچانے کیلئے حکم فرمارہا ہے کہ ادب والے مہینوں کو بے حرمت نہ کرو۔

2۔﴿وَلَا الْقَلَائِدَ﴾ قلادہ کی جمع قلائد ہے، اس طرح قلادہ کے معنی پٹے کے ہوئے غرض کہ حرم مکہ میں قربان ہونے والے، نذر خداوندی کیلئے لیجائے جارہے ان جانوروں کو نہ روکو، اور نہ ہی ان کے ساتھ بے حرمتی کا معاملہ کرو جن کے گلوں میں "فی اللہ راہ اللہ" کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں خلاصہ یہ کہ ان قربانی کے جانوروں کو کسی سے چھینا جائے اور نہ ہی حرم شریف تک پہنچنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔

اس سلسلہ میں مفسرین کرام نے جو تحریریں فرمائی ہیں اسے مختصر طور پر نقل کیا جاتا ہے۔

1۔"شعائر اللہ سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں"۔

2۔"یاد رکھنا چاہئے کہ شعائر اللہ کے احترام کا یہ حکم اس زمانے میں دیا گیا تھا جبکہ مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ برپا تھی مکہ پر مشرکین قابض تھے، عرب کے ہر حصہ سے مشرک قبائل کے لوگ حج و زیارت کیلئے کعبہ کی طرف جاتے تھے اور بہت سے قبیلوں کے راستے مسلمانوں کی زد میں تھے۔

اس وقت حکم دیا گیا کہ یہ لوگ مشرک ہی سہی، تمہارے ان کے درمیان جنگ ہی سہی، مگر جب یہ خدا کے گھر کی طرف جاتے ہیں تو انہیں نہ چھیڑو، حج کے مہینوں میں ان پر حملہ نہ کرو، خدا کے دربار میں نذر کرنے کیلئے جو جانور یہ لئے جارہے ہوں ان پر ہاتھ نہ ڈالو کیونکہ ان کے بگڑے ہوئے مذہب میں خدا پرستی کا جتنا حصہ باقی ہے وہ بجائے خود احترام کا مستحق ہے نہ کہ بے حرمتی کا (تفہیم القرآن: 1/934)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے (رواہ اہل السنن) کے حوالے سے یوں تحریر فرمایا ہے کہ

نبی کریم ﷺ جب حج کیلئے نکلے تو آپ ﷺ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گذاری، صبح اپنی نو (9) بیویوں کے پاس گئے پھر غسل کر کے خوشبو ملی، اور 2 رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج و عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کیلئے آپ ﷺ نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اپنے ساتھ لئے تھے۔ جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص خدا تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرے اس کا دل تقوی والا ہے۔

بعض سلف کا فرمان ہے کہ تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا پلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے۔

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں دیکھ بھال کر خریدیں۔(تفسیر ابن کثیر: پارہ نمبر6، ص:36)

"حج کیلئے بیت اللہ کی طرف چل پڑنے والوں کی بے حرمتی نہ کرو۔"

آیت مبارکہ میں چوتھا فرمان ربانی یوں ہوا کہ

﴿وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی بھی بے حرمتی نہ کرو جو عظمت والے گھر کعبۃ اللہ شریف کے قصد سے جارہے ہیں اور جو یہ چاہتے ہیں کہ پروردگار کا فضل اور اس کی خوشنودی حاصل کریں۔ بے حرمتی نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسافرین حج وعازمین حج کے اس سفر میں ان سے کسی بھی طرح کی کوئی مزاحمت نہ کرو اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی تکلیف و ایذا انہیں پہنچاؤ۔ جیسا کہ یہ بات اوپر گذر چکی کہ شعائر اللہ کے یہ احکام ایسے حالات میں دیئے گئے ہیں جبکہ مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان سخت قسم کی، حق و باطل کی محاذ آرائی چل رہی تھی اور سارے عرب میں ماحول گرم تھا اور دوسری جانب مسلمانوں کو مواقع حاصل تھے کہ حج کو جانیوالے مشرک قبیلوں پر آسانی سے ہاتھ ڈال سکیں ظاہر بات ہے کہ اس سے شعائر اللہ کی توہین ہوتی ہے اس طرح اللہ تبارک تعالی اہل ایمان کو حکم فرماتے ہوئے توہین شعائر اللہ سے بچا رہے ہیں۔ یاد رہے یہاں پر مقصود مشرکین کی تعظیم نہیں ہے بلکہ یہ لوگ شعائر اللہ کی علامتوں کے ساتھ جو سفر کررہے ہیں اس کی اصل تعظیم مقصود ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں یوں تحریر فرمایا کہ "بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے یعنی جو مخلص مسلمان حج و عمرہ کیلئے جائیں ان کی تعظیم و احترام کرو اور ان کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کیلئے آئے تھے۔ اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدے کے موافق خدا کے فضل و قرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے، تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اس وقت سے پہلے کا ہے جبکہ

﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ منادی کرائی گئی۔(القرآن کریم، مطبوعہ سعودی عرب)

شکار کرنے کی اجازت

گذشتہ مضمون میں یہ بات آئی تھی کہ حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت ہے لہٰذا اس کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اب یہاں پر اس کی اجازت یہ فرماتے ہوئے دی جارہی ہے کہ ﴿وَ إِذَا حَلَلْتُم فَاصْطَادُوا﴾ اور جب احرام سے نکلو تو شکار تم کرسکتے ہو۔ یعنی "احرام" بھی مجملہ شعائر اللہ میں داخل ہے اس لئے حالت احرام میں شکار کرنے سے

اہل ایمان کو روک دیا گیا۔ کیونکہ ایسی حالت میں شکار کرنا شعائر اللہ کی توہین ہے۔ لیکن اب اس کی اجازت دی جارہی ہے کہ (طواف افاضہ) حج مکمل کرنے کے بعد تم چاہو تو شکار کرسکتے ہو (بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہو)

(کتاب الحج) کے صفحہ 923 پر یہ عبادت درج ہے کہ "یعنی جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کرو اور جس شخص نے طواف الافاضہ نہیں کیا اس کا پورا احرام نہیں کھلا۔ حوالہ (موطا امام مالک)

لیکن (اے میرے پیارے بندو) تم ہرگز اس طرح کا کوئی عمل نہ کرو کیونکہ یہ شعائر اللہ کی بے حرمتی ہوگی۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے چند تاریخی واقعات کو نقل کرنے کے بعد اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہوئے کہ

"مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ شعائر اللہ کی تعظیم تمہارا اپنا فرض ہے۔ کسی دشمن کے بغض و عداوت کی وجہ سے اس میں خلل ڈالنے کی قطعاً اجازت نہیں۔

فرمائی گئی ہے جس میں انسان کی فلاح و کامیابی اور خود انسان کی اپنی خیر و بقاء امن و سلامتی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ اہل ایمان بندوں کو حکم ہورہا ہے کہ ہر اس نیکی کے کام میں تعاون کرو جو رضائے الٰہی اور فلاح آخرت تک پہنچاتی ہو، اور ہر اس برائی و زیادتی، گناہ اور معصیت سے بچو جس کے کرنے سے غضب الٰہی تم سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ بھی تاکید فرمائی گئی کہ "وَاتَّقُوا" اللہ سے ڈرو یعنی نافرمانی کے انجام بد سے ڈرو اور اس بات کی بھی یاد دہانی کروائی

آیت مبارکہ کے اختتام پر ایک ایسی اصولی بات فرمائی گئی ہے جس میں انسان کی فلاح و کامیابی اور خود انسان کی اپنی خیر و بقاء امن و سلامتی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ اہل ایمان بندوں کو حکم ہورہا ہے کہ ہر اس نیکی کے کام میں تعاون کرو جو رضائے الٰہی اور فلاح آخرت تک پہنچاتی ہو، اور ہر اس برائی و زیادتی، گناہ اور معصیت سے بچو جس کے کرنے سے غضب الٰہی تم سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ بھی تاکید فرمائی گئی کہ "وَاتَّقُوا" اللہ سے ڈرو یعنی نافرمانی کے انجام بد سے ڈرو اور اس بات کی بھی یاد دہانی کروائی گئی کہ اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے احوال پر اچھی طرح نظر رکھے ہوئے ہیں، یعنی اگر اوپر بیان کردہ احکام پر عمل نہ کیا یا پھر اپنی نفسانی خواہش میں آکر حق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو یاد رکھنا میری طرف سے دی جانے والی سزا بڑی سخت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک کوئی چیز جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کے بعد حرام فرمایا تھا اپنے اوپر حلال نہیں کی جب تک آپ نے اپنا حج مکمل نہ کرلیا۔ قربانی کے روز آپ نے طواف افاضہ کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز حلال کرلی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ظلم کا بدلہ ظلم سے نہیں

آیت کریمہ کے مضمون میں چھٹا حکم یہ آیا ہے کہ "اور دیکھو ایک گروہ نے تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کردیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ یہاں پر اس گروہ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ مسجد حرام کا راستہ مسلمانوں کیلئے روکنے والے مشرکین کے متعلق فرمایا جارہا ہے کہ ان لوگوں نے تمہیں مسجد حرام (کعبۃ اللہ) کو جانے سے روک کر شعائر اللہ کی توہین کی اور تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے

اشہر حرم میں قتل و قتال بھی جائز نہیں۔

قربانی کے جانوروں کو حرم تک جانے سے روکنا یا ان کا چھین لینا بھی جائز نہیں اور مشرکین احرام باندھ کر اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فضل و رضا حاصل کرنے کے قصد سے چلے ہیں (اگرچہ بوجہ کفران کا یہ خیال خام ہے) تاہم، شعائر اللہ کی حفاظت و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے نیز وہ لوگ جنہوں نے تمہیں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا ان کے بغض و عداوت کا انتقام اس طرح لینا جائز نہیں کہ مسلمان ان کو مکہ میں داخل ہونے یا شعائر اللہ حج ادا کرنے سے روک دیں کیونکہ یہ ان کے ظلم کے بدلے میں ہماری طرف سے ظلم ہوجائے گا۔ جو اسلام میں روا نہیں۔ (معارف القرآن: 3/61-71)

نیکی کے کام میں تعاون کرو، برے کاموں میں ساتھ نہ دو۔

آیت مبارکہ کے اختتام پر ایک ایسی اصولی بات

گئی کہ اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے احوال پر اچھی طرح نظر رکھے ہوئے ہیں، یعنی اگر اوپر بیان کردہ احکام پر عمل نہ کیا یا پھر اپنی نفسانی خواہش میں آکر حق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو یاد رکھنا میری طرف سے دی جانے والی سزا بڑی سخت ہے۔

☆☆☆

سیدنا عوف اعرابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"ایک آدمی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مجھے موت سے خوف ہے۔

فرمایا:

"یہ اس لئے ہے کہ تم نے اپنا مال اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے۔ اگر تم اسے آگے بھیجتے تو اس کے پاس جانے سے تمہیں مسرت ہوتی۔"

(المجالسہ وجواہر العلم: 1569)



حدیث نمبر:32

عَن أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا - زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ - قَالَتْ : جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ - امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ - إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ لا يَسْتَحْيِي مِنَ الحَقِّ، فَهَلْ عَلَى المَرْأَةِ مِن غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ المَاءَ»

[رواه البخاري، كتاب العلم، باب الحياء في العلم، برقم 130، ومسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، برقم 313]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

نبی کریم ﷺ کی بیوی ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرمایا کہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ام سُلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اس نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! بلاشبہ اللہ حق (بیان کرنے سے) سے نہیں شرماتا ہے کیا عورت کے لیے غسل کرنا ہو گا جبکہ اسے احتلام ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں، جب وہ پانی دیکھ لے۔“

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: جَاءَتْ :وہ آئی۔

2: اِمْرَاَۃُاَبِيْ طَلْحَةَ :ابو طلحہ کی بیوی۔

3: لَا يَسْتَحْيِي :وہ نہیں شرماتا ہے۔

4: اِحْتَلَمَتْ :وہ محتلم ہوئی۔(اسے احتلام آیا۔

5: رَأَت:اس نے دیکھا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ضروری مسائل پوچھنے میں جھجک اور شرم محسوس نہ کرنا۔

2۔عورت کا مرد سے مسائل پوچھنا جائز ہے۔

3۔ مسائل کا تعلق اگر مفاد عامہ سے ہو تو وہ مسائل دوسروں تک پہنچانا مستحب ہے۔

4۔عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے جیسے مرد کو ہوتا ہے ایسی صورت میں عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے بشر طیکہ وہ عورت احتلام کا پانی و اثرات اپنے جسم یا کپڑوں پر دیکھے۔ اگر خواب میں عورت کو احتلام ہو اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد احتلام کے پانی یا اثرات کو نہ پائے تو محض خواب سے اس پر غسل فرض نہیں ہو گا۔

5۔ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو کا آغاز ایسے انداز سے کیا جائے کہ سننے والے کی طبیعت پر کوئی ناگوار اثر نہ پڑے۔ ایسے مسائل کا جواب دینے کے لیے بہت مناسب الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

6۔اللہ عزوجل کی صفات عالیہ میں سے ایک صفت حیا بھی ہے اس پر ایمان لانا اسی طرح واجب ہے جس طرح اللہ پاک کی باقی صفات پر ایمان لانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تاویل، تعطیل، تشبیہ، تمثیل اور بے جا سوالات ایمان کے منافی ہے بلکہ اللہ تعالی کے متعلق ہر اس چیز کو اتنا ہی تسلیم کرنا جتنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے، واجب ہے۔

حدیث نمبر:33

عَن عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ : كُنْتُ أَغْسِلُ الجَنَابَةَ مِن ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلاَةِ، وَإِنَّ بُقَعَ المَاءِ فِي ثَوْبِهِ.

وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ : لَقَدْ كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِن ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرْكاً، فَيُصَلِّي فِيهِ.

[رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب غسل المني وفركه، وغسل ما يصيب من المرأة، برقم 229، و230، و231، و232، ومسلم بنحوه، كتاب الطهارة، باب حكم المني، برقم 289. رواه مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم المني، برقم 288]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے جنابت دھو دیا کرتی تھی آپ نماز کے لئے نکلتے پانی کا نشان آپ کے کپڑے پر ہوتا۔

صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے اسے اچھی طرح کھرچ دیتی تو آپ اس میں نماز پڑھ لیتے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: اَلْجَنَابَةُ :مادہ منویہ مراد ہے۔

2: ثَوْبُ: کپڑا۔

3: بُقَعُ المَآءِ :پانی کے نشانات۔

4: أَفْرُكُهُ :میں اسے کھرچتی۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ منی کو کپڑے اور بدن سے زائل کرنا خواہ منی تر ہو

یا خشک۔ یہ زائل کرنا بطور نفاست ہے یا طہارت اس میں اہل علم کا اختلاف ہے البتہ راجح یہ ہے کہ اس کو زائل کرنا بطور نفاست ہے۔ واللہ اعلم۔

2۔ کپڑے پر اگر مادہ منویہ تر ہو تو اسے دھو کر زائل کیا جائے۔

3۔ جس کپڑے کو منی لگی ہو اس کو دھونے کے بعد خشک کرنے سے پہلے نماز وغیرہ پڑھنا درست ہے۔

4۔ اگر مادہ منویہ خشک ہو چکا ہو تو کھرچنا کفایت کرے گا۔

5۔ یہ حدیث ان لوگوں کی مضبوط دلیل ہے جو منی کی طہارت کے قائل ہیں کیونکہ اگر یہ پلید ہوتی تو اس کو دھونے کا حکم ہوتا۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر:34

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قال: «إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.» وَفِي لَفْظٍ: «وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ.»

[رواه البخاري، كتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان، برقم 291 بلفظه، ومسلم، كتاب الحيض، باب نسخ الماء من الماء، ووجوب الغسل بالتقاء الختانين، برقم 348]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی شخص چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جاتا ہے پھر اس سے ملاپ کرتا ہے (یعنی اس سے جماع کرتا ہے) تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: "خواہ اسے انزال نہ ہی ہو۔"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1: شُعَبِهَا الْأَرْبَع: اس کی چار شاخوں کے درمیان یعنی دو بازوؤں اور دو ٹانگوں کے درمیان۔

2: ثُمَّ جَهَدَهَا: پھر اس سے کوشش کرتا ہے مراد اس سے جماع کرنا ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ شرم و حیا والے مسائل ایسے مناسب الفاظ سے کنایۃً بتانا جس سے سننے والے کو مفہوم سمجھ آ جائے۔

2۔ شرعی مسائل ہر صورت بتانا چاہیے وہ کتنے ہی حساس اور شرم و حیاء والے کیوں نہ ہوں۔

3۔ آلہ تناسل اگر شرم گاہ میں داخل ہو جائے تو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے انزال ہو یا نہ ہو۔

4۔ مذکورہ بالا صورت میں میاں بیوی دونوں پر غسل واجب ہو گا۔

5۔ یہ حدیث دوسری حدیث کی ناسخ ہے جس میں الماء من الماء یعنی غسل صرف انزال ہونے کی صورت میں ہے۔ بعض اہل علم حدیث الماء من الماء کو احتلام پر محمول کر کے دونوں متعارض احادیث میں تطبیق دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

6۔ احادیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہے جیسے قران مجید میں ہے۔

☆☆☆

امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"جسم بیمار ہو جائے تو کھانا پینا اور آرام رخصت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر دل میں بیماری مستحکم ہو جائے تو وعظ و نصیحت لاحاصل ہو جاتی ہیں۔"

(الزھد الکبیر از بیہقی: 25)

دین کے اصول و مسلمات

دین کا وہ حصہ ہیں جس پر سمجھنا سمجھانے کے لیے گفتگو تو ہو سکتی ہے مگر یہ کسی کی ہار جیت سے بدلے نہیں جایا کرتے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور دین کے کچھ بنیادی امور میں آپ کو بحث و گفتگو کی دعوت دی۔ اُس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو کہا:

" آؤ بات کر کے دیکھتے ہیں۔ اس شرط پر کہ میں جیتوں تو تم میرے ہم خیال ہو جاؤ گے اور تم جیتو تو میں تمہارا ہم خیال ہو جاؤں۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا:

" اور اگر کوئی تیسرا شخص ہم دونوں کو خاموش کرا دے؟" اُس شخص نے جواب دیا: "تو ہم اُس کی بات تسلیم کر لیں گے۔"

بظاہر دیکھئے تو اس شخص کی بات سے بڑی ہی انصاف پسندی اور حق پرستی جھلکتی ہے، بظاہر بہت اصولی پیش کش ہے۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کا جو جواب دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ جیسے آئمہ سلف کی ہی شان ہے، فرمایا:

" تو کیا جب بھی کوئی نیا شخص میدان میں آئے اور پہلے والے سے بڑھ کر دلیل دے لینے کی مہارت دکھائے تو ہم اپنا دین اور راستہ تبدیل کر لیا کریں؟ سنو!! میں اپنا دین یقینی طور پر معلوم کر چکا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ تمہیں اپنا دین تا حال معلوم نہیں تو جہاں چاہو تلاش کرتے پھرو۔" (اللالکائی: 1/144)

یہ ہیں ہمارے ائمہ جو ایسا راستہ بتلا گئے کہ جس پر چلنے والا ایک روشن اور مضبوط راہ پر ہے۔ وہ اس راہ کا ہر پہلو امت کے سامنے رکھ گئے۔ اللہ اُن پر رحمت فرمائے۔



توکل معنی و مفہوم

سید خرم حسین جامی

بندہ مختلف شکلوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت انجام دیتا ہے، جن میں بدنی، مالی اور زبانی عبادات کے ساتھ ساتھ قلبی عبادات بھی داخل ہیں اور ان قلبی عبادات میں محبت، خوف وخشیت اور رجاء ورغبت کی طرح توکل بھی شامل ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حقیقی توکل دلی توحید ہے، اسی لیے جس قدر توحید خالص ہوگی اسی قدر توکل صحیح ہوگا اور جب کبھی بندے کی توجہ غیر اللہ پر ہوگی اور غیر اللہ کا دل میں مقام بننے لگے گا تو توکل میں کمی آنے لگے گی۔(مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، فصل منزلة التوکل، فصل الدرجة الثالثة رسوخ)

استاذ محترم ڈاکٹر عبد الرزاق البدر نے فرمایا کہ اللہ ہی پر توکل کرنا دین کا ایک اٹوٹ حصہ، عظیم فریضہ اور اہم ترین بلکہ جامع عبادت ہے، جو بہت سارے خیر کے کاموں کا سبب بنتی ہے، اسی لیے دینی ودنیوی امور میں دلی اعتماد جب کبھی اللہ پر ہوتا ہے تو اللہ کے ساتھ تعلق، اس پر یقین اور بھروسہ بڑا مضبوط ہو جاتا ہے۔ (التوکل علی اللہ، مقال محمل علی الموقع الرسمي لد عبد الرزاق البدر)

بعض اہل علم نے کہا کہ حالات کی درستي کا راز اللہ پر توکل کرنے میں ہے، کیونکہ ساری کائنات اللہ ہی کی محتاج ہے۔(حقیقة التوکل للدکتور ریاض المسیمیری، مقال محمل علی موقع صید الفوائد)

توکل کا لغوی وشرعی معنیٰ

کسی کام میں کمزور پڑنا، بے بسی ظاہر کرنا اور دوسروں پر اعتماد کرنا لغت میں توکل کرنا کہلاتا ہے، (معجم مقاییس اللغة، کتاب الواو، وکل) لیکن اس کی شرعی تعریف کے متعلق اہل علم کے متعدد اقوال ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"اپنے رب پر بندے کا توکل کرنا یہ ہے کہ بندہ جان لے کہ اسے اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ہے۔" (الحث علی التجارة والصناعة لأبي بکر الخلال: اثر نمبر، 123)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"توکل (صرف زبانی وجسمانی کام نہیں بلکہ) دل سے تعلق رکھنے والا کام ہے۔"

امام یحیی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"اپنے معاملات رضامندی کے ساتھ اللہ کے سپرد کر دینا توکل ہے۔"

امام عبد القاہر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"توکل اللہ کے یہاں (موجودہ انعامات وثواب) پر بھروسہ کرنا اور جو لوگوں کے پاس ہے اس سے ناامید رہنے کا نام ہے۔" (التعریفات، باب التاء)

امام ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"توکل کی حقیقت یہ ہے کہ دنیوی واخروی امور میں فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے کے لیے دل سچائی کے ساتھ اللہ پر اعتماد کرے۔" (جامع العلوم والحکم، الحدیث التاسع والأربعون)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"توکل وہ ہے جس میں توحید، عقل اور شریعت کے تقاضے جمع ہوں اور بندے کا اپنے مقصود کو پانے کا ذریعہ بھی توکل کہلاتا ہے۔" (مجموع الفتاوی: 10/20، 35)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"دین استعانت اور عبادت کا نام ہے اور استعانت توکل ہے، لہٰذا اس اعتبار سے توکل نصف دین ہے۔"

کبھی فرمایا کہ

"توکل کے لیے دو اصول ضروری ہیں، دل کا علم اور دل کا عمل اور دل کا علم یہ ہے کہ بندہ یقین رکھے کہ

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "دین استعانت اور عبادت کا نام ہے اور استعانت توکل ہے، لہٰذا اس اعتبار سے توکل نصف دین ہے۔"

کبھی فرمایا کہ "توکل کے لیے دو اصول ضروری ہیں، دل کا علم اور دل کا عمل اور دل کا علم یہ ہے کہ بندہ یقین رکھے کہ اللہ اس کے لیے کافی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں اور دل کا عمل یہ ہے کہ اسے اللہ سے سکون واطمینان حاصل ہو، اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور اس کے فیصلوں سے راضی ہو جائے۔ (طریق الہجرتین وباب السعادتین، فصل في تقسیم الناس من حیث القوة العلمیة والعملیة)

کبھی فرمایا کہ "توکل چند امور سے ملی جلی حالت وکیفیت کا مجموعہ ہے، جن کے بغیر اس کی حقیقت پوری نہیں ہو سکتی، سب سے پہلے اللہ کی قدرت، قیومیت اور مشیت کی معرفت، پھر اسباب ومسببات کی طرف توجہ دینا، ساتھ ہی ساتھ دل میں اس کیفیت کا راسخ ہونا، اللہ سے حسن ظن رکھنا، دل کا اس کے تابع ہونا بلکہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا۔" (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، فصل منزلة التوکل) (بعض نے ان باتوں کو توکل کے سات درجات سے تعبیر کیا ہے۔)

اللہ اس کے لیے کافی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں اور دل کا عمل یہ ہے کہ اسے اللہ سے سکون واطمینان حاصل ہو، اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور اس کے فیصلوں سے راضی ہو جائے۔(طریق الہجرتین وباب السعادتین،فصل في تقسيم الناس من حيث القوة العلمية والعملية)

کبھی فرمایا کہ

"توکل چند امور سے ملی جلی حالت و کیفیت کا مجموعہ ہے، جن کے بغیر اس کی حقیقت پوری نہیں ہو سکتی، سب سے پہلے اللہ کی قدرت، قیومیت اور مشیت کی معرفت، پھر اسباب و مسببات کی طرف توجہ دینا، ساتھ ہی ساتھ دل میں اس کیفیت کا راسخ ہونا، اللہ سے حسن ظن رکھنا، دل کا اس کے تابع ہونا بلکہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا۔" (مدارج السالکین بین منازل إياك نعبد وإياك نستعين، فصل منزلة التوكل)(بعض نے ان باتوں کو توکل کے سات درجات سے تعبیر کیا ہے۔)

امام حافظ حکمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"دل کا اللہ پر اعتماد کرنا، اس پر بھروسہ رکھنا اور اسے اپنے لیے کافی سمجھنا توکل ہے۔" (معارج القبول بشرح سلم الوصول، الفصل الثالث، ومن انواعها التوكل على الله)

استاذ محترم ڈاکٹر عبد الرزاق البدر نے فرمایا کہ

"حقیقی توکل دلی طور پر اللہ کی بندگی اور اس کے فیصلوں سے رضامندی کا اظہار کرنا ہے، جس میں جائز اسباب کا اختیار کرنا اور غیر شرعی راستے پر چلنے سے بچنا بھی داخل ہے۔(التوكل على الله، مقال محمل على الموقع الرسمي لد عبد الرزاق البدر)

کسی نے کہا کہ اللہ پر بھروسہ کرنا، اطمینان رکھنا اور اس سے سکون حاصل کرنا توکل ہے۔

کسی نے کہا کہ ہر حال میں اللہ سے وابستہ رہنا توکل ہے۔

کسی نے کہا کہ قضا وقدر کو تسلیم کر لینا توکل ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں مدارج السالکین بین منازل إياك نعبد وإياك نستعين، فصل منزلة التوكل، فصل معنى التوكل، وشرح ثلاثة الأصول للفوزان، الأصل الأول، التوكل ودليله)

توکل کے صحیح معنیٰ کو سمجھنے کے لیے محدثین کی تبویبات بھی معاون ثابت ہو سکتی ہیں، مثال کے طور پر:

امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الزہد والرقائق میں باب باندھا باب التوکل والتواضع یعنی توکل اور تواضع کا بیان۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں باب باندھا باب التوکل والیقین یعنی توکل اور یقین کا بیان۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا باب الورع والتوکل یعنی تقوی اور توکل کا بیان۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شعب الإیمان میں باب باندھا التوکل باللہ عزوجل والتسلیم لأمرہ تعالی فی کل شيء یعنی ہر شئے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابع داری اور اللہ عزوجل پر توکل کا بیان۔

توکل اور اسباب کا اختیار کرنا

گزشتہ موضوع میں توکل کے بیان کردہ معنیٰ سے پتا چلا کہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کا ایک حصہ اور لازمہ ہے، لیکن اس کے باوجود اسباب اختیار کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

1۔ ایسے لوگ جو مسبب الاسباب (اسباب بنانے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ) کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں، صرف اسباب پر نظر رکھتے ہیں، اور ان ہی پر اعتماد بھی کرتے ہیں، جب کہ ایسا کرنا باطل بلکہ قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف عمل ہے، جو شرک کا سبب بنتا ہے۔

2۔ ایسے افراد جنھوں نے اسباب سے بالکل منہ موڑ لیا اور اسباب ترک کرنے کو توحید سمجھا، جیسا کہ اکثر صوفیہ کا نظریہ ہے۔

3۔ جنھوں نے اسباب کی تاثیر کا سرے سے انکار کیا، اور جو انسان کو مجبور محض مانا، جب کہ یہ دونوں قسمیں بھی کتاب وسنت کے مخالف ہیں۔

4۔ اہل سنت وجماعت جن کا یہ عقیدہ ہے کہ جائز اسباب اختیار کرنے چاہیے، لیکن اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر اعتماد ہونا چاہیے، جیسا کہ انبیاء وصحابہ نے اللہ پر توکل کیا اور جائز اسباب بھی اختیار کیے، جس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اللہ پر توکل کیا اور اسی پر توکل کرنے کی تلقین بھی کی، لیکن اس سے پہلے تدبیر کرنے اور اسباب اختیار کرنے کے طور پر بیٹوں سے فرمایا کہ تم ایک دروازے سے مت داخل ہو، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہو۔(سورۂ یوسف:67)

2۔ سیدنا داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، جس سے وہ جنگی لباس اور لوہے کی زرہیں تیار کیا کرتے تھے۔(سورۃ الأنبیاء:80)

3۔ سیدنا ایوب علیہ السلام کو زمین پر پیر مارنے کا حکم دیا گیا تاکہ اس سے چشمہ جاری ہو جائے۔(سورہ ص:42)

4۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے ذریعے پتھر پر مارنے کا حکم دیا گیا، جس کی وجہ سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ (سورۃ البقرۃ:60)

5۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے دوران رہبر سے مدد لی، اہل وعیال کے لیے سال بھر کا غلہ اور اناج ذخیرہ کیا، میدان کارزار میں زرہ پہنی، ہتھیار کا استعمال کیا، حکم الٰہی کے پیش نظر صحابہ سے مشورہ کیا، تین دن غار میں روپوش رہے، اونٹ کو باندھ کر توکل کرنے کا حکم دیا، بے بس ہونے سے منع کیا اور اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے فائدہ مند اشیاء کو اختیار کرنے کی ہدایت کی، کماحقہ توکل کرنے کے لیے ایسے پرندوں کی مثال دی جو اپنے گھونسلے سے صبح سویرے نکلتے ہیں اور شام کو واپس لوٹتے ہیں اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو منع کیا کہ لوگوں کو خوش خبری نہ دیں کیوں کہ وہ

غلط فہمی کی بنا پر عمل نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا، مثال کے طور پر:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو۔" (سورۃ النساء:71)

تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو۔(سورۃ الأنفال:60)

پھر جب نماز ہو چکی تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔(سورۃ الجمعۃ:10)

تم اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، اور سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔(سورۃ البقرۃ:194)

جو پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے اسے کھاؤ۔ (سورۃ الأنفال:69)

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، یہ آپ کے سامنے تر و تازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔ (سورۂ مریم:25)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو پست و مطیع کر دیا، تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اس (اللہ) کی روزیاں کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھ کھڑا ہونا ہے۔(سورۃ الملک:15)

علاوہ ازیں اللہ نے اپنی عبادت (سورہ ہود:123) اور اپنا تقویٰ (سورۃ الطلاق: 2-3) اختیار کرنے کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ توکل کرنے کا حکم دیا، واضح رہے کہ عبادت کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا در اصل اسباب اختیار کرنا ہے۔(زاد المعاد في هدي خير العباد، فصل في هدیہ ﷺ في الهدايا...، التوكل)

صحابہ کی سوانح حیات سے پتا چلتا ہے کہ مہاجر صحابہ تجارت پیشہ تھے اور انصار صحابہ زراعت پیشہ تھے، جو اسباب اختیار کرنے کا کھلا ثبوت ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کے بعض لوگوں سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ جواب ملا کہ ہم متوکلین ہیں، تو فرمایا بلکہ تم متکلین (محنت کیے بغیر تکیہ کرنے والے) ہو، کیونکہ متوکل تو وہ ہوتا ہے جو زمین میں بیج بوتا ہے اور اللہ پر توکل کرتا ہے۔(التوكل على الله لابن أبي الدنيا)

امام ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توکل کرنا اسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں، کیونکہ اللہ نے توکل کرنے کے ساتھ اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا، اسی لیے اسباب اختیار کرنے کی کوشش کرنا اس کی اطاعت کرنی ہے اور دل سے اس پر توکل کرنا اس پر ایمان رکھنا ہے، لہٰذا جس نے اسباب اختیار کرنے پر اعتراض کیا اس نے سنت کی پیروی کرنے پر اعتراض کیا اور جس نے توکل کرنے پر اعتراض کیا تو اس نے ایمان رکھنے پر اعتراض کیا، کیونکہ توکل کرنا نبی ﷺ کا معمول تھا اور اسباب کا اختیار کرنا سنت تھی، بنا بریں جو معمول پر عمل کرنے والا ہو اسے سنت ہر گز نہیں چھوڑنی چاہیے۔(جامع العلوم والحکم، الحديث التاسع والأربعون)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جس کا یہ ماننا ہے کہ توکل کے لیے اسباب کا اختیار کرنا ضروری نہیں تو وہ گم راہ ہے۔" (مجموع الفتاوی:8/528)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"جس نے اسباب اختیار کرنے کا انکار کیا تو اس کا توکل درست نہیں اور کامل توکل میں یہ بھی داخل ہے کہ اسباب کی طرف (مکمل طور پر) مائل نہ ہو۔۔۔ اسباب کا اختیار کرنا اللہ کی حکمت اور اس کے دین کا ایک حکم ہے اور توکل اس کی ربوبیت اور اس کی قضا و قدر سے متعلق ہے، لہٰذا اسباب اختیار کیے بغیر توکل نہیں کیا جا سکتا اور توکل اختیار کیے بغیر عبادت نہیں کی جا سکتی۔(مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، فصل منزلة التوكل)

مزید فرمایا کہ اللہ پر اعتماد نہ کرنا اور اسباب کا اختیار نہ کرنا، یا اسباب اختیار کیے بغیر اعتماد کرنا توکل نہیں بلکہ عاجزی اور بے بسی ہے۔(الروح، فصل والفرق بين التوكل والعجز)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جہاں پرندوں کے لیے اللہ پر توکل کرنا ثابت کیا وہیں رزق کی تلاش میں ان کا صبح میں نکلنا بھی ثابت کیا، اسی لیے اللہ عز و جل ہی مسخر، (قابو میں کرنے والا) مسیر، (کائنات کا نظام چلانے والا) اور مسبب (اسباب فراہم کرنے والا) ہے۔" (تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ الملک:15)

اسباب کا اختیار کرنا جہاں توکل میں داخل ہے، وہیں توکل کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسباب پر تکیہ نہ کیا جائے، کیونکہ اگر مسبب الاسباب کے بغیر اسباب ہی اثر انداز ہوتے تو آگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیتی، سیدنا اسماعیل علیہ السلام پر پھیری گئی چھری سے جان نکل جاتی اور دوا لینے والا کوئی بھی مریض نہیں مرتا بلکہ سب کے سب زندہ رہتے۔

☆☆☆

علامہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"لوگ جہنم میں تین دروازوں سے داخل ہوں گے:

- شبہات کا دروازہ جس نے اللہ کے دین میں شک پیدا کر دیا۔
- شہوات کا دروازہ جس نے فرمانبرداری کے مقابلے میں ہوائے نفس پیدا کیا۔
- غصہ اور انا کا دروازہ جس نے مخلوق پر زیادتی کو پیدا کیا۔

(کتاب الفوائد: ص58)



عالم فاضل اور مقلد؟

مباحثہ دیو بند میں اگر جناب محمد حسین بٹالوی نے ایسے الفاظ کہے ہیں:

مجھے تعجب ہے کہ (بایں علم و فضل) آپ جیسا شخص اور مقلد ہو، تو انہیں سمجھنے کیلئے یہ تحریر مفید ہو سکتی ہے:۔ جناب ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں:

مسئلہ تقلید ہندوستان میں عرصہ سے منجھ رہا ہے یہاں تک کہ ہمارے خیال میں یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا تھا مگر دار العلوم دیو بند کا ماہوار رسالہ دار العلوم دیکھ کر ہمیں افسوس ہوا۔ یہ رسالہ ابھی اس بحث کے ابتدائی حصہ میں بھٹک رہا ہے۔ ابتداء میں یہ مسئلہ یوں پیش کیا جاتا تھا کہ دلائل علمیہ سے قطع نظر کر کے ایک دوسرے پر طعن و تشنیع سے کام لیا جاتا تھا۔ تھوڑی مدت بعد وہ زمانہ آیا کہ اس مسئلہ میں علمی دلائل سے کام لیا گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں معیار الحق حضرت میاں صاحب مرحوم اور الارشاد مصنفہ مولوی محمد ابو یحی شاہجہان پوری ہمارے سامنے آئیں۔ اس کے بعد ہمیں یقین یا گمان ہو گیا تھا کہ اب اس مسئلہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اگر رہے گی تو علمی شکل میں ہمیں نظر آئے گا۔ لیکن رسالہ دار العلوم دیو بند بابت اپریل مئی 1946ء دیکھنے سے ہمارے خیال کو صدمہ پہنچا۔ کیونکہ فاضل مضمون نگار نے اس بحث میں انتقامی شکل اختیار کر لی جو اتنے بڑے دار العلوم کے لئے زیبا نہ تھی۔ ہم خوش ہوتے اگر مضمون نگار اس کو علمی شکل میں لکھتے اور مطاعن سے کام نہ لیتے۔ ہم نے ایک اشتہار 1943ء میں مسئلہ تقلید سے متعلق علماء دیو بند کو مخاطب کر کے شائع کیا تھا جو اہل حدیث مورخہ 3 دسمبر 1943ء میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ تقلید کرنا اس شخص کا کام ہے جو دلائل شرعیہ نہ جانتا ہو۔ یعنی قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو۔ اس پر ہم نے علماء دیو بند کو مخاطب کر کے سوال کیا تھا کہ آپ حضرات بفضلہ تعالی علوم شرعیہ سے واقف ہیں، درس اور افتاء میں دلائل و براہین سے کام لیتے ہیں۔ قرآن وحدیث اور کتب فقہ میں تطبیق دیتے ہیں۔ پھر آپ اپنا نام مقلد کیوں تجویز کرتے ہیں جو آپ کی شان کے مطابق نہیں ہے۔ امام غزالی نے مستصفی میں لکھا ہے لیس التّقلید فی شیء من العلم یعنی تقلید علم کا کوئی درجہ نہیں اور مسلّم الثبوت جو علم اصول میں چوٹی کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے:

"أمّا المقلّد مستنده قول مجتهده

"مقلد کا سہارا اپنے امام کے قول پر ہوتا ہے۔"

اس حیثیت سے ہم نے علماء دیو بند کو تقلید سے اعلی اور ارفع سمجھا تھا لیکن رسالہ دار العلوم دیکھنے سے معلوم ہوا کہ علماء دیو بند باوجود فرسٹ کلاس کا ٹکٹ رکھنے کے تھرڈ کلاس میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ ہم اس بارے میں ان کو کسی قسم کا الزام یا طعنہ نہیں دیتے، ہاں حدیث نبوی کے الفاظ پیش کئے دیتے ہیں جو یہ ہیں انزلوا الناس منازلھم ہر آدمی کو اس کی مناسب جگہ میں بٹھایا کرو۔ کتب اصول اور فقہ دیکھنے سے ہمیں تو پختہ یقین ہے کہ کوئی عالم جو قرآن وحدیث کا باقاعدہ درس دیتا ہو، مقلد کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی تواضعاً اپنا نام مقلد یا حنفی رکھ لے۔ ورنہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ جس شخص کو مسائل دینیہ میں بصیرت حاصل ہے وہ مقلد ہر گز نہیں ہو سکتا، چاہے وہ ساری عمر حنفی یا شافعی کہلائے۔ مگر منصب علمی کے لحاظ سے وہ مقلد نہیں ہے۔

اب ہم دکھاتے ہیں کہ رسالہ مذکور (دار العلوم) میں اس بارے میں کیا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔

رسالہ مذکور میں لکھا ہے:

اجتہاد، جہد بمعنی کوشش سے مشتق ہے۔ اصطلاح شریعت میں احکام شرعیہ کو ادلہ تفصیلیہ سے معلوم کرنے کے لئے کوشش خرچ کر دینے کا نام اجتہاد ہے۔ مجتہد کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ علوم عربیت میں حاذق اور ماہر ہو۔ کیونکہ قرآن اور حدیث عربی ہے، بغیر عربی زبان جانے ہوئے نفس مطلب بھی نہیں سمجھ سکتا اجتہاد تو در کنار۔ اور علوم عربیت میں لغت اور صرف اور نحو اور بلاغت یہ تمام علوم داخل ہیں۔ اعراب کے بدل جانے سے اور تعریف و تنکیر کے فرق سے معنی میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے اس لئے اجتہاد کے لئے ان علوم میں حاذق اور ماہر ہونا غایت درجہ ضروری ہے۔ دوم یہ کہ کتاب و سنت اور اقوال صحابہ و تابعین پر پورا مطلع ہو تاکہ مختلف فیہ مسائل صحابہ اور تابعین کے دائرہ سے باہر نہ ہو جائے۔ (دار العلوم۔ اپریل مئی 1946ء۔ ص27)

جناب ثناء اللہ امر تسری کہتے ہیں «

ناظرین! ہم نے علماء دیو بند و امثالہم کے لئے مقلد کا لفظ غیر موزوں سمجھا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی نام ان کے لئے تجویز نہیں کیا تھا۔ لیکن مضمون نگار صاحب نے مجتہد کی جو تعریف کی ہے اور جو اوصاف بتائے ہیں للہ ان پر غور کر کے بتایئے کہ علماء دیو بند پر یہ

سب صادق آتے ہیں یا نہیں ؟ وہ علوم عربیہ اور شرعیہ سے واقف ہیں یا نہیں ؟ اگر نہیں ہیں تو پڑھاتے کیا ہیں ؟ سب کچھ پڑھاتے ہیں۔ سب کچھ جانتے ہیں، پھر ان کے مجتہد ہونے میں کیا شک ہے ؟ صحیح بخاری صحیح مسلم ابو دائود کے دیوبندی شراح بھی اگر مسائل شرعیہ کو دلائل سے نہیں جانتے تو اور کون جانتا ہو گا؟ علماء دیوبند کی قابلیت کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں اگر یہ حضرات دوسری تیسری صدی میں ہوتے تو سب کے سب مجتہدین میں شمار کئے جاتے لیکن آج ہمارے سامنے کہا جاتا ہے کہ ہم سب مقلد ہیں۔ علماء اصول کی تصریحات کو دیکھ کر ہم کسی طرح یہ جرات نہیں کر سکتے کہ علماء دیوبند وامثالہم کو مقلد کہیں کیونکہ سر گروہ دیوبندیہ مولانا اشرف علی یوں بیان کرتے ہیں:

”کسی قول کا محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلائے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔“ (الاقتصاد۔ ص17)

اس تعریف کے تحت ہمارا حوصلہ نہیں پڑتا کہ علماء دیوبند وامثالہم کو مسائل شرعیہ کی دلیل سے بے خبر قرار دے کر ان کا نام مقلد تجویز کریں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم، ابو دائود کے دیوبندی شراح بھی اگر مسائل شرعیہ کو دلائل سے نہیں جانتے تو اور کون جانتا ہو گا۔ بحالیکہ مولانا روم مقلد کی شان میں یہ فرما گئے ہیں:

آں مقلد ہست چوں طفل علیل گرچہ دارد بحث باریک ودلیل

قابل مضمون نگار نے ایسے علمی مسئلہ کو صرف زبانی باتوں سے نبھانا چاہا ہے اور کوئی ثبوت کتب اصول سے نہیں دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

منجانب اللہ مجتہد کو نور فہم اور فراست سے خاص حصہ ملا ہو۔ ذکاوت اور ذہانت میں ممتاز ہو بڑے بڑے اذکیاء اور عقلاء کی گردن تسلیم اوس کے خداداد فہم کے سامنے خم ہو۔ اجتہاد کے لئے معمولی فہم کافی نہیں۔ اجتہاد کے لئے ایسا غیر معمولی فہم چاہیے کہ جو لوگوں میں ضرب المثل بن گیا ہو۔ معمولی فہم تو ہر عالم میں ہوتا۔ مجتہد کی کیا خصوصت۔ (دار العلوم اپریل ومئی 1946ء ص27)

مضمون نگار نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب اس کے دلی خیالات اور نکتہ بعد الوقوع کا مصداق ہے۔ باوجود اس کے ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ مجتہد کو نور فراست حاصل ہونا چاہیے۔ لیکن یہ چیز اس کی ماہیت میں داخل نہیں ہے۔ اگر ہے تو فاضل مضمون نگار یا ان کے ہم خیال کتب اصول سے اس دعوی کا ثبوت دکھائیں۔ کتب اصول نور الانوار وغیرہ میں صرف اتنی تصریح ملتی ہے کہ دلالات لفظیہ کو استعمال میں لانے والہ مجتہد ہوتا ہے اور یہ خاصہ مجتہد کا ہے۔ علاوہ اس کے ہم کرسکتے ہیں کہ نور فراست وغیرہ کلی مشکک ہے جس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ ہمارا گمان بلکہ یقین ہے کہ علماء دیوبند اس کلی مشکک کے کسی نہ کسی درجہ میں شریک ہیں۔ کیا کوئی حوصلہ کر سکتا ہے کہ شرح بخاری لکھنے والے یا شرح مسلم کے دیوبندی شارح کو نور فہم وفراست سے بے نصیب کہہ دے:

كبرت كلمة تخرج من أفوا ههم

مولانا رشید احمد مرحوم، مولانا اشرف علی مرحوم، مولانا انور شاہ مرحوم وغیرھم کی نسبت معتقدین دیوبند کھلے لفظوں میں ہمیں اطلاع دے سکتے ہیں کہ کیا یہ لوگ اس صفت سے خالی تھے جو قابل نامہ نگار نے پیش کی ہے ؟ اگر وہ ان کو خالی بتائیں گے تو بادل نخواستہ ہم بھی تسلیم کر لیں گے کہ ان کا درجہ واقعی مقلد کا تھا۔

اس کے بعد مضمون نگار نے ایک اور قید لگائی ہے جو در اصل نور فراست میں آچکی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

ورع اور تقوی کا مجسمہ ہو۔ اوس کا چہرہ اور اوس کی پیشانی اوس کے تقوی اور پرہیز گاری پر شہادت دیتی ہو۔ حق پرست ہو، ہوا پرست نہ ہو۔ زبان قال نہیں بلکہ زبان حال یہ شعر پڑھتی ہو:

أنا عبد الحق لا عبد الهوى لعن الله الهوى فيما لعن

” میں بندہ حق ہوں ہوائے نفس کا بندہ نہیں ہوں۔ ہوائے نفسانی پر اللہ کی لعنت ہو۔“

(دار العلوم، اپریل مئی 1946ء۔ ص27-28)

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں:

ہم اس پر کچھ زیادہ نہیں لکھنا چاہتے۔ صرف اکابر دیوبند کے حالات پر توجہ دلاتے ہیں کہ کہاں تک الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے۔ ان کی شان میں قطب الاقطاب وغیرہ الفاظ معمولی ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کو سامنے رکھ کر ہمیں بتایا جائے کہ کیا ایسے حضرات کو ان اوصاف میں حصہ نہیں ملا تھا۔ میں کہوں گا انکار کی صورت میں انعام خداوندی سے کفران لازم آئے گا۔ خدا ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

اس بحث میں ہمارا روئے سخن دیوبند کی طرف چلا آیا ہے۔ تاہم بریلوی جماعت کے ارکان بھی ہمیں بتائیں کہ مولانا مولوی احمد رضا خان مرحوم جن کو مجدد ماۃ حاضرہ کہا جاتا ہے، کیا وہ ان اوصاف سے خالی ہیں۔ ہرگز کوئی ایسا کہنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا پھر اس مجدد اور عظیم المرتبت شخصیت کو مقلد کہنا کیا معنی رکھتا ہے بحالیکہ علماء کا اصول ہے:

إنما التقليد وظيفة الجاهل

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ یا تو یہ دونوں گروہ اپنے اکابر کی نسبت علم وفضل اور زہد وتقوی کا عقیدہ چھوڑ دیں یا ان کو مقلد کہنا ترک کر دیں۔ (اہل حدیث، امرتسر، 5 جولائی 1946ء: 3-4؛ 12 جولائی: 3-4)

اشتہار مسائل عشرہ اور ادلّہ کاملہ

1877ء میں جاری ہونے والے اپنے اشتہار مسائل عشرہ (جو متن میں منقول ہو چکا ہے) کے بارے میں مولانا محمد حسین بٹالوی ؒ لکھتے ہیں:

مسائل عشرہ جو اس اشتہار میں درج ہیں جن کے دلائل کے سوال ہی حنفی مذہب کے مسائل ہیں اور ان کی کتب میں موجود ہے کہ باعث جاری ہونے اس اشتہار کا یہ ہے کہ مولوی عبد العزیز وغیرہ جن کا نام اس اشتہار میں درج ہے مدعی مباحثہ کے ہوئے جب وقت مقابلہ آیا تو مسائل مقصودہ سے گریز کر بیٹھے اور مسئلہ فضیلت ساکنان حرمین نے بیٹھے۔ ہر چند ان سے مسائل ذیل میں گفتگو کی درخواست کی گئی۔ ہر گز اس گفتگو پر مستعد نہ ہوئے۔ چنانچہ تفصیل اس کی اخبار سفیر ہندوستان میں چھپ رہی ہے۔ پس لاچار ہو کر یہ اشتہار جاری کیا گیا۔ (ضمیمہ اشتہار مورخہ 10 ستمبر 1877ء)

اشتہار جناب بٹالوی ؒ نے 19 مئی 1877ء کو شائع کیا تھا اور اس کے بعد بھی متعدد بار شائع ہوا۔ اس اشتہار نے پورے ہند کے حضرات احناف میں تزلزل ڈال دیا۔ رد و کد اور سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا۔ جواب میں متعدد علمائے احناف نے قلم اٹھایا۔ جناب بٹالوی نے ایک ایک کا جواب دیا۔ احناف میں سے سب سے اہم شخصیت غالباً جناب قاسم نانوتوی تھے، آپ نے ادلہ کاملہ کے نام سے جواب لکھا جسے مشاورت کے بعد جناب محمود حسن کے نام سے شائع کیا گیا۔ ادلہ کاملہ کے مصنف کا طرز تحریر ملاحظہ فرمائیے:

آپ (بٹالوی) بے تکی ہانکا کریں۔ واہیات جاہلانہ سمجھ کر آپ کے حریف آپ چپ ہو رہیں گے کیونکہ جواب جاہلاں خاموشی باشد اور یہی وجہ ہے جو ارشاد ہوا: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾

مزید فرماتے ہیں:

یہ شور تو ایک مدت سے ہے کہ حضرات غیر مقلدین تجویز متعہ کے درپئے ہیں چونکہ آپ ان سب کے امام ہیں تو یہ کب ہو سکتا ہے کہ یہ شور اوپر ہی اوپر اڑا ہو، اور نیز یہ شور بھی ایک مدت سے ہے کہ بعض غیر مقلدین خدا کے ہاتھ پاؤں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے ہمارے تمہارے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ اس میں تامل ہے تو اتنا ہے کہ کاہے کے ہیں، چاندی کے یا سونے کے یا کہیں اور کے۔

ان دنوں امرتسر سے ایک اخبار سفیر ہندوستان نکلتا تھا۔ جناب بٹالوی ؒ نے اس میں جوابی مضامین شائع کئے ---- مئی 1877ء سے مئی 1878ء تک یہ سلسلہ پہلے ضمیمہ اخبار سفیر ہندوستان اور تتمہ سفیر ہند کے نام سے شائع ہوتا رہا۔ جون 1878ء کا پرچہ اشاعۃ السنہ کے نام سے شائع ہوا۔ اشتہار سے جنم لینے والے تحریری مباحثے کا ذکر باربرا میٹکاف نے بایں الفاظ کیا ہے:

A typical controversary within Sunni Islam was one between Maulana Mahmud Hasan Deobandi and two members of the Ahl-i-Hadis (S.Asghar Husain, Hayat-i-Shaikhul Hind, Deoband, 1920, pp172-76) Maulana Muhammad Hussain Batalawi, an outspoken member of the Ahl-i-Hadis resident in Lahore, initiated the debate by issuing a circular addressed to the Hanafi ulama. In it he called on them to give justification, based on Quran and Hadis, for ten specific issues in Hanafi law. He offered, as an indication of his contempt for their efforts, a reward of ten rupees for each point they could confirm in the revealed sources. A Punjabi Hanafi immediately responded, but even his fellow Hanafis found his effort something of an embarrasment. (The author was probably Maulwi Muhammad Umar Rampuri (d. 1878), who is noted as having written an answer to Batalwi (Aasharah Mubashirah) in the Tazkirah Ulma-yi Hind by Rahman Ali, Karachi ed. 1964, pp 454-55). Mahmud Hasan resolved to write a response himself. the result was his first written work, the since oft-reprinted Adilla-i-Kamilah. The popularity of the work did not derive from its originality, for it was a standard account of Hanafi belief and practice. It justified the jurisprudential position of the Hanafis, and accused the Ahl-i-Hadis, as the Deobandis always did, of following not Hadis but personal opinion, and of being excessively literal in their reading of text......Batalwi, of course, was not

convinced, and used the newspaper of which he was an editor to promise a final answer to Mahmud Hasan's points. That answer, wirtten by an associate, proved no more convincing to the other side. Mahmud Hasan, under Muhammad Qasim's supervision, wrote a second answer, thus concluding, at least from Deobandi side, this particular debate. (Metcalf., Islamic Revival in British India, 1982, 212-.13)

باربرا کی تحریر میں جن مولوی محمد عمر کا ذکر ہے ان کا ترجمہ تذکرہ کاملان رام پور کے صفحہ 268 پر بحوالہ تذکرہ علمائے ہند از جناب رحمن علی صفحہ 20 یوں منقول ہے:

مولوی محمد عمر تخلص صولت۔ نہایت دانشمند، عالم تبحر تھے۔ جامع معقول و منقول، ذکی الطبع، مناظر زبر دست، شاعر فصیح اور واعظ بے مثل تھے۔ حاشیہ عینی شرح ہدایہ، اور رسالہ طنط صولت در باب سماع ان کی یادگار ہیں۔ مولوی محمد حسین لاہوری غیر مقلدین کے پیشوانے سوالات عشرہ مشتہر کئے تھے۔

مولوی صاحب نے ہر ایک سوال کا جواب لکھا اور اس کا نام عشرہ مبشرہ رکھا۔ 13 رمضان المبارک 1295 ہجری کو انتقال کیا۔ (جناب محمد حسین کو اس وقت اہل حدیث کا پیشوا کہنا بھی غلط ہے کیونکہ اس وقت ان کے بڑے موجود تھے جن میں حافظ محمد لکھوی، محی الدین لکھوی، عبد اللہ غزنوی، غلام العلی قصوری، اور جناب میاں صاحب شامل ہیں۔ بہاء)

باربرا میٹکاف کی تحریر سے یوں خیال ہوتا ہے کہ جناب محمود حسن ادلہ کاملہ کی تصنیف کے وقت بڑے علماء میں سے تھے بلکہ شائد احناف میں آخری اٹھارٹی تھے۔ لیکن یہ بات واقعہ کے خلاف ہے۔ جس وقت مسائل عشرہ کا اشتہار نکلا اس وقت جناب محمود حسن ایک نو آموز مدرس تھے۔ اور جناب محمد حسین نے اشاعۃ السنہ کی جلد دوم میں واضح کر دیا تھا کہ ادلہ کاملہ دراصل جناب قاسم کی تحریر ہے جسے جناب محمود حسن کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

ہمارے اشتہار مسائل عشرہ مجریہ 19 مئی 1877ء کا جواب برائے نام ایک رسالہ ادلہ کاملہ بھی تھا جس کے جواب کی نوبت ہم نے بوجہ قلت فرصت وکثرت مخاطبین برطبق مشہور یک انار وصد بیمار یایوں کہیں کہ یک جان وصد آزار اختتام جواب ظفر احمد کے بعد ٹھہرا رکھی تھی اور اس کی تشہیر اعلان کیم وپانز دہم دسمبر 1877ء وضمیمہ اشاعۃ السنۃ مطبوعہ ذی قعد 1295ھ میں کیا۔ اب جواب ظفر احمد کے ختم ہو جانے سے اس رسالہ کے جواب کا آغاز ہوا۔

یہ امر کہ رسالہ ادلہ کاملہ مولوی محمد قاسم کی تالیف ہے ہر چند محتاج ثبوت ولائق بحث نہیں ہے۔ پنجاب وہندوستان بلکہ عربستان کے بہت سے لوگ اس بات کو جانتے ہیں۔ صدہا اتباع قاسمیہ بڑے فخر وعجب سے یہ دعوی کرتے ہیں کہ

جناب محمد قاسم نے جواب اشتہار ایسا لکھا ہے جس کا جواب آج تک فریق ثانی سے ادا نہیں ہوا۔ اور جناب محمد قاسم خود بھی اپنے مؤلف ہونے کے مقرّ ہیں اور یہ اقرار کئی جگہ کہ از انجملہ حرم مکہ ہے (زادہا اللہ شرفاً) برملا کر چکے ہیں۔

ولیکن چونکہ بعض حق پوش صدق فراموش نے مؤاخذہ اخروی کا ڈر اٹھا کر تہدید وعید کذب سے بے خوف ہو کر اس امر مستفیض کا انکار کیا ہے یا اس انکار کی جڑ کو جما دیا ہے کہ اس رسالہ کو مولوی محمود حسن کے نام سے چھپوایا اور انہیں کا مئولف ہونا خلاف واقعہ مشتہر کیا، اس لئے مجھے بیان شان نزول اس رسالہ کا (جس کو مقلدین مولوی محمد قاسم کا لوحی من السّماء سمجھتے ہیں) مناسب معلوم ہوا، اور مولوی صاحب کے مئولف ہونے کا ثبوت ضروری نظر آیا۔ پس بسماع توجہ سننا چاہیے کہ ۔۔ بعض ثقات مدرسہ دیوبند کے (جو مولد ومنشاء اس رسالہ کا ہے) مجھے نقل پہنچی ہے کہ جب اشتہار مسائل عشرہ مدرسہ دیوبند میں پہنچا تو حاجی عابد حسین نے (جو مدرسہ دیوبند کے معاون وممبر ہیں) سب مدرّسوں سے اس کے جواب لکھنے کی درخواست کی۔ جب کسی نے استطاعت نہ پائی اور سب نے اپنی عاجزی ظاہر کی تو وہ اشتہار حاجی صاحب موصوف اور مولوی رفیع الدین (جو مدرسہ کے مہتمم ہیں) نے مولوی محمد قاسم کی خدمت میں بمقام نانوتہ روانہ کیا اور تاکیدی خط متضمن درخواست جواب تحریر فرمایا۔ مولوی محمد قاسم نے ایک مہینہ کے بعد جواب لکھ کر مولوی محمد منیر (جو ان کے رشتہ کے بھائی ہیں اور بریلی میں ملازم) کے ہاتھ دیوبند بھیج دیا۔ مولوی محمد منیر نے وہ جواب بوقت شام دیوبند میں پہنچایا اور نقل کرنے کیلئے مولوی کوثر علی خوش نویس کے سپرد ہوا۔

ناقل کہتے ہیں میں نے اپنی آنکھ سے وہ جواب دیکھا اور مولوی محمد قاسم کا دستخطی پایا۔ جب وہ جواب نقل ہو چکا تو اس میں کمیٹی شروع ہوئی کہ کس کے نام سے اس کی تشہیر ہو۔

آخر اس تجویز پر اتفاق رائے ہوا کہ مولوی محمد قاسم نامی آدمی ہیں، ان کے نام سے اس کی تشہیر ہوئی تو جو کوئی اس کا جواب لکھے گا وہ بھی مولوی صاحب کی طرف عائد ہوگا اور اس میں مولوی صاحب کی توہین وبدنامی متصور ہوگی، لہٰذا تشہیر اس کی مولوی فخر الحسن کے نام سے ہونی چاہیے یا مولوی محمود حسن کے نام سے۔

راقم محمد حسین کہتا ہے یہ تب ہی ان حضرات کو سوجھی جب کہ ان کو خود ہی اس رسالہ پر طمانیت حاصل نہ ہوئی اور اس کو مجموعہ اوہام وخیالات جان لیا اور اس کے رد ہونے کا یقین کر لیا۔

اگر اس کو جواب صحیح بادلیل جانتے اور لاجواب خیال کرتے تو یہ آڑیں کیوں ڈھونڈتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے پہلے بھی جو دو تین جواب اشتہار اسی طرح اوروں کے بچاؤ میں نکلے اور مؤلفین جوابات خود پردہ میں رہے۔

اول جواب ایک طالب العلم ہوشیار پوری کا جو ظفر احمد کے نام سے شائع ہوا جس کا جواب ضمیمہ اخبار سفیر ہند میں دیا گیا۔ دوئم جواب بعض علماء لکھنؤ وبنارس کا جو ایک شخص خلیل الدین کے نام سے شائع ہوا اور اس کا جواب رسالہ اشاعۃ السنہ میں نمبر ایک سے آٹھ تک ادا ہوا۔

سیوم جواب امام اہل خصام جناب محمد شاہ (پاکپٹنی) کا جو میاں یوسف کے نام سے شائع ہوا۔ جس کا جواب نمبر آٹھ سے دس تک اشاعۃ السنہ میں دیا گیا۔ اب یہ رسالہ چہارم (ادلہ کاملہ) جواب ہے، جو اسی طرز قدیم سے جاری ہوا ہے۔ آئندہ دیکھا چاہیے۔

غرض ان لوگوں کی اس آڑ لینے سے یہی ہے کہ اگر کسی نے اس کی ردّ ومدافعت نہ کی تو فتح ہمارے نام رہی اور ان لوگوں میں جو ہمارا مئولف ہونا جانتے ہیں ہماری نیک نامی ہوئی اور اگر کسی نے اس کی خبر لی اور بیخ کنی کر دی تو عامہ خلائق میں بدنامی اس کی ہوئی جس کے نام سے اس کی شہرت کرائی گئی۔

لیکن ان سب میں یہ کسی نے نہ سوچا کہ یہ ہمارا راز چھپا کیوں کر رہے گا؟ اور جو باتیں ہم اعاظم مشاعر وعامہ مجالس میں فخراً ظاہر کرتے ہیں اور ان میں کمیٹیاں ہوتی ہیں، کیونکر باہر نہ نکلیں گی؟

ان کی اس خام کاری پر یہ شعر خوب صادق آتا ہے جو ان کی اس مصیبت افشاءراز پر گویا ایک مرثیہ ہے:

ہمہ کام زناکامی بہ بدنامی کشید آخر

نہاں کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا

یہاں ایک اور ثقہ صاحب علم سے، جو ان دنوں مدرسہ دیوبند میں موجود تھے، یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ جناب مولوی احمد علی سہارنپوری اور جناب مولوی رشید احمد گنگوہی اس مشورہ تبدیل نام مئولف کے شریک ہیں اور کمیٹی کے وہ بھی ممبر ہیں۔ ان کے پاس رسالہ بھیج کر یہ مشورہ پوچھا گیا تو انہوں نے بھی مولوی محمود حسن کے نام سے شائع ہونے رسالہ کو پسند کیا۔ جب یہ تبدیل نام مجمع علیہ آراء ارباب کمیٹی ہو گئی اور محمود حسن صاحب کے نام سے تشہیر رسالہ کی قرار پائی تو حاجی عابد حسین نے اس کو اپنے مرید محمد انور نامی کے (جو جالندھر میں ملازم ہیں) پنجاب میں چھپوانے کو بھیجا اور وہ ان کے اہتمام سے بنام نہاد اظہار الحق چھپا۔ ادھر مولوی محمد منیر نے چھپنے کے لئے کان پور بھیج دیا۔ وہاں مطبع نظامی میں بنام ادلہ کاملہ موسوم ہو کر چھپ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسالہ ایک مضمون پر نام دو۔

اگر ان دونوں میں فرق ہے تو اتنا ہے کہ ادلہ کاملہ میں عنوان جوابات دفعہ اول، ودفعہ دوم۔۔ الخ ہے اور اظہار الحق میں عنوان یہ ہے۔ جواب سوال اول، جواب سوال دوئم۔۔ الخ

اسی بناوٹ کی وجہ سے اظہار الحق چھپواتے ہی ایسا چھپا یا گیا کہ پھر کہیں اس کا اثر نظر نہیں آیا۔

یہ تو مشاہدہ کی شہود کا بیان ہے، اب اقرار کے شہود کا بیان سننا چاہیے۔ مولوی محمد قاسم نے اپنی زبان گوہر فشان سے حرم مکہ (حرسھا اللہ تعالی) میں اس بات کا اقرار کیا اور بڑے فخر سے ظاہر کیا کہ ہم نے اشتہار غیر مقلدین کے جواب میں رسالہ ادلہ کاملہ لکھ دیا ہے۔

اس اقرار جناب کو مولوی صاحب کے بڑے معتقد حاجی ظفر اللہ نے (جو اصلی متوطن میرٹھ ہیں اور بالفعل مقیم مکہ۔ اور بتقریب تجارت ہندوستان آتے جاتے ہیں اور 1295ھ میں ہندوستان آئے ہیں) دہلی میں بیان کیا۔

اور اس کو بجواب ہمارے دوستوں کے اس اعتراض کے کہ مولوی محمد قاسم اس اشتہار کا جواب کیوں نہیں لکھتے اور آپ (حاجی ظفر اللہ) ان سے مطالبہ جواب کیوں نہیں کرتے، بڑے زور شور سے پیش کیا۔

اس کے بعد ہمارے ایک دوست شیخ محی الدین نامی کو بتقریب ادائے فریضہ حج اتفاق زیارت بیت الحرام ہوا تو وہاں انہوں نے مولوی محمد قاسم کے مئولف ہونے کا اقرار حاجی امداد اللہ پیرو مرشد مولوی محمد قاسم ومولوی رشید احمد کی زبان مبارک سے سنا۔

یہ اقرار حاجی امداد اللہ کا مولوی محمد قاسم کے اقرار سے بڑھ کر لائق سند ہے، اس لئے کہ پیرو مرشد کا رتبہ صدق ودیانت میں مرید سے بالاتر ہے۔

علاوہ اقرار اس موقع کے کئی مواضع میں مولوی محمد قاسم نے اقرار کیا ہے اور قبل طبع رسالہ اس کی خبریں مواضع مختلفہ میں مشتہر ہو گئیں۔

لودہانہ، ساڈھوڑہ، پٹیالہ، بریلی وغیرہ بلکہ رسالہ قلمی ان کے نام سے جابجا منتشر ہوا۔ اور قبل الانطباع اس کا ایک نسخہ ہم کو لدھیانہ سے ملا جو ان کے ایک شاگرد (جو مجھ سے بھی واسطہ استناد رکھتا ہے اور مولوی صاحب کا بڑا معتقد) کے پاس موجود تھا۔ اسی کی زبان سے لدھیانہ میں مولوی صاحب کا مئولف ہونا مشہور ہوا۔

☆☆☆

مسلمان تصور کھو جانے پر زبوں حالی کا شکار
فرقہ واریت سے نکل سے کر ایک امت بننا ہوگا
اسلامک دعوہ کانفرنس

امت کی زبوں حالی کا سبب امت کے تصور کا کھو جانا ہے، آج مسلمان نے بحیثیت مسلمان سوچنا چھوڑ دیا اور عمل کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اسی وجہ سے سارا کفر ایک دستر خوان پر ان کو ہڑپ کرنے کی غرض سے اکٹھا ہو گیا ہے اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا ہے، اس کا حل یہی ہے کہ ہم فرقہ واریت سے نکلیں اور امت بن جائیں۔ ان خیالات کا اظہار گزشتہ شب مرکز ام القری بریڈ فورڈ میں منعقد ہونے والی مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی 43 ویں سالانہ اسلامک دعوہ کانفرنس میں مقررین نے کیا۔ دریں اثناء اس موقع پر مرکز ام القریٰ کا افتتاح بھی کیا گیا، 2016ء ایک چرچ خریدا گیا تھا اور اسے ایک خوبصورت مسجد و مرکز میں تبدیل کیا گیا ہے۔ کانفرنس میں مقتدر علمائے کرام نے امت مسلمہ کی زبوں حالی کے اسباب اور ان کے حل پر سیر حاصل گفتگو کی۔ پروفیسر سینیٹر حافظ ساجد میر (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان)، ڈاکٹر حافظ عبد الکریم (ناظم اعلیٰ مرکزیہ پاکستان) ڈاکٹر محمد حماد لکھوی (سربراہ شعبہ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان) پروفیسر محمد یحییٰ محدث جلالپوری، لاہور پاکستان، الشیخ ظفر الحسن مدنی، پیس ٹی وی سکالر شارجہ، لاہور کی تاریخی مسجد چینیانوالی کے خطیب مولانا شفیق احمد پسروری ایڈیشنل سیکرٹری جنرل المرکزیہ نے پُر مغز خطابات کیے، جبکہ علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے فرزند علامہ ابتسام الٰہی ظہیر نے لاہور سے ویڈیو لنک کے ذریعے خطاب کیا، کیونکہ وہ علالت طبع کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتے تھے، کانفرنس کی صدارت امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ، مولانا محمد ابراہیم میرپوری نے کی جبکہ انتظامی امور کی نگرانی ناظم الامور اعلیٰ المرکزیہ حافظ حبیب الرحمٰن نے کی۔ نقابت کے فرائض مولانا شفیق الرحمٰن شاہین اور حافظ شریف اللہ شاہد ناظم تبلیغ المرکزیہ نے سرانجام دیے۔ کانفرنس کے بعد نماز ظہر شروع ہوئی، ابتدائی تقاریر انگریزی میں الشیخ ابو اسامہ الذہبی برادر وسیم خان و دیگر نے کیں۔ اردو سیشن کا آغاز تلاوت اور مولانا عبد الستار عاصم کی حمد و نعت سے ہوا۔ خطیب شہر مولانا منیر قاسم نے راہِ حق میں مشکلات کا سامنا کرنا سنت انبیاء ہے کے موضوع پر خطاب کیا۔ مولانا عبد الرب ثاقب کی نظم نے سماں باندھ دیا، مولانا ظفر الحسن مدنی، مولانا شفیق خاں پسروری نے مدلل انداز میں اپنے موضوع کا حق ادا کیا، پروفیسر محمد یحییٰ جلالپوری نے جو نائجیریا میں اسکاڈا یونیورسٹی کے لیکچرار بھی رہے ہیں، انہوں نے وہاں کے حکمران الشیخ عثمان محمد بلو کے اسلامی کاز کی ایمان افروز تفصیل بیان کی، نماز عصر کے بعد ڈین شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی لاہور نے بڑے عالمانہ خطاب کیا، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان اور سینیٹر پروفیسر حافظ ساجد میر نے اپنے موضوع پر مدلل خطاب کیا، جبکہ جماعت کی جانب سے اعلامیہ مولانا حبیب الرحمٰن حبیب نے پیش کیا۔ انہوں نے حافظ شریف اللہ شاہد اور ان کے رفقاء کی تحسین کی جو ایک خستہ حال چرچ کو توحید و سنت کے مرکز میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ناظم اعلیٰ نے برطانیہ کے مختلف شہروں سے دور دراز کا سفر کر کے آنے والے تمام احباب کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے کانفرنس میں شرکت کی۔ یقیناً کانفرنس کی کامیابی کے لیے احباب جماعت کا تعاون ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور آپ لوگوں کا یہ سفر صرف اللہ کی رضا کی خاطر ہے اور علماء وفضلاء سے علم دین حاصل کرنا بھی مطلوب ہے۔ کلمات تشکر امیر جماعت مولانا محمد ابراہیم نے ادا کرتے ہوئے جماعت سے جڑے رہنے کی تلقین کی، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے، الگ الگ سوچ پر نہیں۔ اللہ کے ہاتھ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق و تائید، حفاظت و مدد ہے، اس امت مرحومہ پر اللہ کی جانب سے جہاں بہت سے احسانات ہیں وہیں اس کا یہ بھی بڑا کرم ہے کہ امت کے تمام لوگ کبھی ناحق اور غلط باتوں پر جمع نہیں ہوتے، یہ جب بھی کسی چیز پر اتفاق کرتے ہیں وہ حق بات ہوتی ہے۔ ناظم نشر واشاعت مولانا عبد الاعلیٰ درانی نے جمعیت کا عالمی حالات کے تناظر میں مؤقف بیان کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر و فلسطین کی پنجہ ہنوز و یہود سے مکمل رہائی ہی سے امن عالم وابستہ ہے۔ کشمیری حریت پسند لیڈر یاسین ملک کے خلاف بھارت کورٹ کی طرف سے جو سزا دی گئی ہے اس کی شدید مذمت کرتے ہیں اور ان کی رہائی کے لیے ہر فورم کو استعمال کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ نیز پاکستان کے تمام معاشی مسائل کا سب سودی نظام کی بجائے اسلامی بینکنگ سے وابستہ ہونے میں ہے، حال ہی میں وفاقی شرعی عدالت نے اس کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے حکومت کو پانچ سال کی مدت دی ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث اس فیصلے کی بھرپور تائید کرتی ہے۔ بحمد اللہ یہ کانفرنس جو 2 بجے سے شام 9 بجے تک مسلسل جاری رہی اور جس نے اپنے حاضرین پر بہت اچھا اثر چھوڑا اور علم و عمل کی دنیا میں ایک انقلابی کردار ادا کیا۔

☆☆☆